

# فکر و فنِ اقبال کے چند پہلو

حاضر کے حوالے سے

(اقبال کے ۴۷ ویں یوم وصال کے موقع پر منعقد کئے گئے  
سمینار میں پڑھے گئے مقالات و مضامین کا مجموعہ)



ترتیب و تہذیب

پروفیسر سلیمہ فاضل



اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کچھرا پنڈ فلاحی، کشمیر یونیورسٹی، حیدرآباد، سندھ

# فکرو فنِ اقبال کے چند پہلو

عصر حاضر کے حوالے سے

(اقبال کے ۷۷ ویں یوم وصال کے موقع پر منعقد کئے گئے سیمینار میں پڑھے گئے مقالات و مضامین کا مجموعہ)

ترتیب و تہذیب

تسکینہ فاضل

اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی، کشمیر یونیورسٹی، حضرتیل سرینگر۔

(جملہ حقوق بحق اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی محفوظ)

نومبر ۲۰۱۲ء

سال اشاعت:

پانچ سو (۵۰۰)

تعداد اشاعت:

محمد خالد ملک

کمپیوٹر کمپوزنگ:

شارجہ پریس سرینگر

منبع:

۲۵۰ روپے

قیمت:

978-93-82288-21-3

آئی۔ ایس۔ بی۔ این۔

ملنے کا پتہ

اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی کشمیر یونیورسٹی، سرینگر۔ ۱۹۰۰۰۶

ای۔ میل۔ iqbalinstituteku@yahoo.in

## مندرجات

☆ حرفہ آغاز	۵-۱
☆ نثر اقبال کا تنوع..... ایک مختصر جائزہ	۳۹-۶
☆ اقبال اکیسویں صدی میں	۴۹-۴۰
☆ پس جدیدیت..... چند غور طلب سوالات	۶۵-۵۰
☆ ساقی نامہ..... اقبال کا تخلیقی کرشمہ	۷۱-۶۶
☆ فکری اجتہاد	۷۴-۷۲
☆ نوآبادیاتی صورت حال پر اقبال کا ردِ عمل	۸۷-۷۵
☆ اقبال کی عصری معنویت	۹۸-۸۸
☆ اقبال کا احترام آدم	۱۰۸-۹۹
☆ ساقی نامہ	۱۲۱-۱۰۹
☆ اقبال کی نظر میں نئی نسل کو درپیش مسائل..... سید کی لوح	۱۲۸-۱۲۲
☆ تربت کے حوالے سے	
☆ عصری مسائل کا حل فکر اقبال کے آئینے میں	۱۳۶-۱۲۹
☆ اسلامی تہذیب کا نظام اخلاق اور فکر اقبال..... ایک مطالعہ	۱۴۶-۱۳۷



## ہمارے قلمی معاونین

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

پروفیسر غلام رسول ملک

محمد یوسف ٹینگ

پروفیسر عبدالغنی مدہوش

پروفیسر ابوالکلام قاسمی

پروفیسر علی احمد قاسمی

ڈاکٹر دروازہ قاسمی

پروفیسر تسکینہ فاضل

پروفیسر محمد شاہد حسین

پروفیسر مجید مضمحل

ڈاکٹر عبدالرشید بٹ

ڈاکٹر میرزا ادہ محمد امین

ڈاکٹر طارق مسعودی

ڈاکٹر مفتی مدثر

جناب اعجاز الحق

جناب ادھر شاہ

جناب عامر سمیل دانی

وزیر تنگ پروفیسر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سابق صدر شعبہ انگریزی کشمیر یونیورسٹی سری نگر

سابق سیکرٹری جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کچھرا اینڈ لیٹریچر

سابق صدر شعبہ تعلیم کشمیر یونیورسٹی سری نگر

صدر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سابق صدر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور

استاد شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ناظم، اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کچھرا اینڈ فلاسفی کشمیر یونیورسٹی

صدر شعبہ اردو جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی، سری نگر

ایسوسی ایٹ پروفیسر شاہ محمد ان انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز،

کشمیر یونیورسٹی، سری نگر

ایسوسی ایٹ پروفیسر سوشل ورک کشمیر یونیورسٹی سری نگر

اسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد

اسٹنٹ پروفیسر شعبہ انگریزی کشمیر یونیورسٹی سری نگر

پروڈیوسر ایجوکیشنل ملٹی میڈیا ریسرچ سینٹر کشمیر یونیورسٹی، سری نگر

ریسرچ اسکالر شعبہ عمرانیات جامعہ ملیہ اسلامیہ،

طالب علم، بی ٹیک نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (NIT)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## حرف آغاز

سال رواں یعنی ۱۹ اپریل ۲۰۱۲ء کو اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی کے زیر اہتمام حکیم الامت علامہ اقبال کے ۷۴ ویں یوم وصال کے موقع پر جس سیمینار کا انعقاد کیا گیا، زیر نظر کتاب اُسی سیمینار میں پڑھے گئے مقالات و مضامین پر مشتمل ہے۔ کتاب میں اُردو اور انگریزی میں تحریر کئے گئے سولہ مقالات و مضامین شامل ہیں۔ چونکہ اقبال انسٹی ٹیوٹ کے نامن کلچر میں وسعت پیدا کر کے اس ادارے کا نام اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی رکھا گیا اس لئے اس نام میں توسیع کے پیش نظر اس ادارے کی کارکردگی کا دائرہ بھی وسعت اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ سیمینار میں عمرانیات، اقتصادیات، اسلامک اسٹڈیز اور ایجوکیشن کے علاوہ عربی، فارسی، اُردو و انگریزی جیسے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہل علم نے شرکت فرما کر فکر اقبال کو مختلف تناظرات میں دیکھ کر اپنے مقالات پیش کئے۔ اسکا لرحضرات اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اقبال کا فکر شرق و غرب کے بہترین علمی، ادبی اور فکری سرمائے کا حسین امتزاج ہے جس سے اقبال کے غیر معمولی تخلیقی جوہر کھلے ہیں۔ چنانچہ تفہیم اقبال کے کام سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہونے کے لئے مختلف علوم سے کما حقہ واقفیت ناگزیر ہے۔

زیر نظر کتاب کا پہلا مقالہ پاکستان کے باقاعدہ، سنجیدہ اور نامور اقبال شناس ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا ”نثر اقبال کا تنوع“۔ ایک مختصر مطالعہ کے عنوان سے شامل کتاب ہے۔ یہ ہاشمی صاحب کا وہ علامہ اقبال یاد گاری خطبہ (Iqbal Memorial Lecture) ہے جو رواں سال کی ۲۶ فروری ۲۰۱۲ء کو منعقد ہوا تھا اور اسے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ فلسفہ نے شائع کیا تھا۔ یہ بات صداقت پر مبنی ہے کہ اقبال کی نثر پر ان کی شاعری کے مقابلے میں کم ہی لکھا گیا ہے۔ اس کا ایک سبب غالباً یہ رہا ہے کہ اقبال کی شاعری اپنی بے پناہ قوت، توانائی اور برنائی کی بدولت ان کی نثر پر غالب رہی ہے، تاہم اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس خطبے کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر مجاہد کامران، وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی نے فرمائی تھی۔ یہ لیکچر ارازی ہال، سینٹر فار انڈرگریجویٹ، اسٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں دیا گیا تھا۔

کہ ان کی نثر کم وقعت کی حامل ہے۔ دراصل اقبال کی شاعری اور ان کی نثر ان کی صحیح تفہیم میں ہماری معاونت کرتی ہے۔ ہاشمی صاحب نے اپنے خطبے میں نثر اقبال کے حوالے سے نہایت اہم نکات کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ انہیں اقبال کو صاحب طرز نثر نگار کہنے میں تامل ہے، تاہم ان کے نزدیک نثر اقبال کے مطالعے سے ہم اپنی قومی وطنی بقاء اور تحفظ کے طریقے دریافت کر سکتے ہیں۔ بہر حال ان کا یہ خطبہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اسے قارئین کی دلچسپی کی خاطر زیر نظر کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔ ہم ہاشمی صاحب کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں یہ خطبہ مرحمت فرمایا۔

پروفیسر غلام رسول ملک کا مقالہ ”اقبال — اکیسویں صدی میں“ کے عنوان سے بڑا ہی اہم اور فکر انگیز مقالہ ہے جس سے اکیسویں صدی میں فکر اقبال کی معنویت پر روشنی پڑتی ہے۔ پروفیسر ملک کا ایک اور مقالہ ”پس جدیدیت.....“ چند غور طلب سوالات ”اقبال اکادمی پاکستان کے سہ ماہی مجلہ اقبالیات جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ پاکستان سے اقبال اور دوسرے موضوعات پر شائع ہونے والا سارا جیش بہاؤ خیرہ اہل کشمیر تک کم ہی پہنچ پاتا ہے، اس لئے ہم پروفیسر ملک کے مذکورہ مضمون کو اس کتاب میں شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں۔

ہم اقبال اکادمی پاکستان کے بہت شکر گزار ہیں جس سے دایستہ اہل علم و ادانش حضرات پروفیسر ملک کی اقبالیاتی تحریروں کو دو قافو قفا شائع کرتے ہیں۔ ہم پروفیسر موصوف کے اس مضمون کو بھی زیر نظر کتاب میں قارئین کی دلچسپی کی خاطر شائع کر رہے ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کچھ راہنڈ لیٹگو بجز کے سابق سیکریٹری اور لیجسلیٹیو کونسل کے ڈپٹی چیئرمین اور وادی کے سربراہ آدرہ ادیب جناب محمد یوسف ٹینگ کا مضمون ”ساقی نامہ.....“ اقبال کا تخلیقی کرشمہ“ کے عنوان سے کتاب میں مندرج ہے۔ نظم ”ساقی نامہ“ اقبال کی شاہکار نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ اس نظم پر اگرچہ بہت کچھ لکھا گیا ہے تاہم ٹینگ صاحب نے اپنے مخصوص اور منفرد انداز فکر و نظر سے اقبال کی اس نظم کو موضوع بحث بنایا ہے۔

پروفیسر عبد الغنی مد ہوش شعبہ تعلیم کشمیر یونیورسٹی کے سابق صدر کا مضمون ”فکری اجتہاد“ کے عنوان سے ہے۔ بغور دیکھیں تو اقبال کی پوری فکر کو اجتہادی فکر سے تعبیر کرنا غلط نہ ہوگا۔ اقبال اسلامی سلطنت میں بھی اجتہاد کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کے نزدیک فقہ اسلامی میں اس اصطلاح کے معنی اُس کوشش کے ہیں



جو کسی قانونی مسئلے میں آزادانہ رائے قائم کرنے کے لئے کی جائے۔ وہ ہر دور میں اجتہاد کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں دور حاضر کے کسی بھی مسئلے کا حل یا کسی بھی قانون کی تدوین، تاریخ، سیرت اور قرآن کے وسیع مطالعے سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ مربوط و مسلسل سماجی تبدیلیاں کسی بھی طور نظر انداز نہ کی جائیں۔ نظام تعلیم میں قرآنی تعلیمات کا اچھا خاصہ حصہ ہو۔ تاریخی پس منظر کو ملحوظ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات کے تغیر کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ اگلا مضمون علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے پروفیسر ابوالکلام قاسمی کا ہے جس کا عنوان ”نوآبادیات سے پیدا شدہ مسائل پر اقبال کا رد عمل ہے“۔ اقبال نے اپنی منظوم اور منثور دونوں طرح کی تحریروں میں نوآبادیات سے پیدا شدہ مسائل پر اپنے گہرے رد عمل کا جا بجا اظہار کیا ہے۔ پروفیسر قاسمی صاحب نے فکر اقبال کے حوالے سے ایک نہایت اہم اور فکر انگیز موضوع کا انتخاب کیا ہے۔

پروفیسر محمد شاہد حسین اور پروفیسر مجید مضمّر کے مضامین بالترتیب ”اقبال کا احترام آدم“ اور ”ساقی نامہ“ ہے۔ پروفیسر شاہد حسین کے مضمون کا جہاں تک تعلق ہے، اقبال احترام آدم یا احترام آدمیت کو تہذیب کی بنیاد سمجھتے ہیں، کیونکہ آدم کو خدائے عزوجل نے خلیفۃ الارض قرار دے کر اُسے نہایت عظیم مقام سے سرفراز فرمایا ہے احترام آدمیت کی باتیں کرتے ہوئے اقبال نے نوع انسان کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس کتاب میں اہل علم و دانش کے اُردو میں تحریر کردہ مقالات کے علاوہ بعض انگریزی مقالات بھی شامل کئے جا رہے ہیں، جو جیسا کہ مذکور ہوا اقبال کے ۷۴ ویں یوم وصال کے موقع پر پڑھے گئے تھے۔ ان میں سے ڈاکٹر عبدالرشید بٹ کا مقالہ "Iqbal's Concept of Ijma: Nature and Prospects" کے عنوان سے ہے۔ قرآن مقدس اسلامی قانون کا منبع یا سرچشمہ ہے اور اس کے بعد سنت۔ اگر ان دونوں میں کوئی چیز موجود نہ ہو تو مسلمان علماء اور فقہاء اکثریت سے جو فیصلہ کریں گے، وہ اجماع کہلائے گا۔ اجماع فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ ہے۔ اقبال اسے اسلام کے قانونی تصورات میں اہم ترین تصور سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اس سب سے زیادہ اہم تصور پر نظری اعتبار سے بحثیں تو خوب ہوئی ہیں لیکن عملی طور پر اس کی حیثیت ایک خیال سے آگے نہیں بڑھی۔ مسلم ممالک میں اس تصور نے کبھی ایک مستقل ادارے کی شکل اختیار نہ کی۔ غالباً اس سبب کے تحت کہ خلیفہ چہارم کے بعد جب اسلام میں مطلق



العنوان ملوکیت نے سر اٹھایا تو یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا کہ اجراع کو ایک مستقل تشریحی ادارے کی حیثیت دی جاتی۔ ڈاکٹر عبدالرشید بٹ نے اپنے پُر مغز مقالے میں اقبال کے تصور اجراع سے بحث کرتے ہوئے اس کی نوعیت اور اس کے امکانات (Prospects) کو زیر بحث لایا ہے۔ اگلا مضمون بعنوان "Allama Iqbal on the reality of Man: A Psycho-Philosophical Perspective" ڈاکٹر پیرزادہ محمد امین کا ہے، جن کا تعلق سوشل ورک کے شعبے سے ہے۔

"Educational Perspective of Iqbal" ڈاکٹر طارق مسعودی کا مضمون ہے جس میں اقبال کے تعلیمی تناظر کے حوالے سے بطریق احسن بحث کی گئی ہے۔ اگلا مضمون ڈاکٹر مفتی بدر علی "How not to read Iqbal" ممتاز نقاشی الرحمن فاروقی کی کتاب کے جواب میں لکھا ہے کہ اقبال کو کس طرح نہ پڑھا جائے۔ "Why Iqbal Matters" میں جناب اعجاز الحق نے اقبال کے حوالے سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال ہمارے لئے کیوں اہمیت کے حامل ہیں۔ آخری مضمون "Allama Iqbal and Love- A philosophical Discourse" سوشیا لوجی اور پلی ٹیک کے طالب علموں ادھر رشید شاہ اور عامر سمیل دانی کی مشترکہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ دونوں طلباء نوجوان نسل سے تعلق رکھتے ہیں، اقبال کے افکار سے ان کا شغف مستقبل میں انشاء اللہ ضرور برگ و بار لائے گا۔ ان سے یہی توقع اور ان کے حق میں یہی دُعا ہے۔

اقبال انسٹی ٹیوٹ آف ٹیچر اینڈ فلاسفی کو برصغیر کا پہلا اقبالیاتی ادارہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس ادارے کے بانی ڈائریکٹر اردو شعر و ادب کی ایک نامور شخصیت پروفیسر آل احمد سرور کی اقبالیاتی خدمات سدا آب زر سے لکھی جائیں گی۔ ان کے رفقاءے کار میں لسانیات کے ممتاز اسکالر پروفیسر مسعود حسین خان، فلسفہ کے جید عالم پروفیسر عالم خوند میری، انگریزی ادب کے استاد پروفیسر سید سراج الدین اور قری کے بے بدل استاد ڈاکٹر کبیر احمد جاسی شامل تھے۔ سرور صاحب کے بعد عربی کے بے بدل عالم پروفیسر سید احمد کمالی کو اقبال انسٹی ٹیوٹ کا ناظم ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ ان کے بعد ایک خاموش اسکالر پروفیسر محمد امین اندرابی کو بھی اس ادارے کا ڈائریکٹر ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب بھی اقبال انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔ آسمان علم و ادب اور فلسفہ کی اس درخشندہ

کہکشاں کے بعد اقبال انسٹی ٹیوٹ کا ناظم ہونا بار امانت سنبھالنے کے مترادف ہے۔ خدا سے یہی دُعا ہے کہ وہ مجھے اس کی توفیق عطا کرے۔ آمین! کثیر ناموت الکبار، یعنی بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنادیا۔

تسکینہ فاضل

نومبر ۲۰۱۲ء

نثر فنی، اقبال کے بلند پایہ، سرشار شاعری کے نمونے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

## نثر اقبال کا تنوع

ایک مختصر مطالعہ

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

جناب صدر!

خواتین و حضرات!

علامہ اقبال بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں۔ ان کی بلند پایہ، خوب صورت اور اس شخصیت شاعری میں ایسی کشش ہے کہ اس کا تاریکی یا سامع "سین لٹ" اور "واور" کہتے ہوئے اس کی دوسرے پر خود کو منجور پاتا ہے، مگر یہ حیثیت نہیں ہے کہ قاتل کے شیعہ کی، ان کے مدح، ان کے قارئین و سامعین اور ان کی شاعری پر سرزد حشہ وائے، حتیٰ کہ جنس واجب الاحترام بلند پایہ اقبال شاعری میں بھی اقبال کی شاعری کے دائرے سے نکل کر ان کی نثر کو درخور متمانہ نہیں سمجھتے۔ اگر نثر کی طرف متوجہ ہوتے بھی ہیں تو اس طرح نہیں، جیسے ہونا چاہیے۔

ہم اقبال کو کم ہی پڑھتے ہیں اور اس نثر میں جو اقبال کی دس نو شخصیت کے پہلو موجود ہیں، اس سے ناواقف ہی رہتے ہیں۔ شخصیت کے علاوہ ان کے نثر کی قوس قزح، ان کے ذہنی ارتعاش کے شیب و فراز اور بحیثیت مجموعی اس میں جو قبل کے سوز و ساز، روی اور جھج و تاب رازی ملتے ہیں، ہم سے جانتے سے محروم رہتے ہیں۔ نثر اقبال کے قارئین کم کم ہیں، اس لیے جہاں اقبال کی شاعری کے مجموعے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں چھپے ہیں، وہاں ان کی نثر کی کتابیں بہت کم شائع ہونے کی نوبت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے (اور نا زبان کی نثر سے، اسی اعراض و اغراض ہی کا نتیجہ ہے) کہ قبایلی تنقید و ترجمانی کا ناخوش فائدہ شاید اس سے بھی زیادہ اقبال کی شاعری سے بحث کرتا ہے اور ان کی نثر جو نثر اقبال کی دوزخ، غیر مبہم اور واضح صورت ہے، اس کا حوالہ کم، بہت ہی کم دیا جاتا ہے۔

اقبال کی نثر پر گفتی کے چند تنقیدی نمایاں ملتے ہیں، مگر وہ بھی نثر اقبال کا کمال اور طے نہیں







ہر اُن کی مثال کے لیے پہلا۔ بعد میں کے جواب۔

۱۔ عذرا، یہ بات اور باتوں کے ساتھ ہے۔ میں بھی بہت کچھ معصومات متی ہیں۔

یہاں میں سرگودھا کی مشکلات کا ذکر ہے اور بتا چلتا ہے کہ علامہ نے اپنے بھائی شیخ عطاء اللہ کی محبت میں قتی شریف، جلی، لکھتے ہیں ”کھوڑے کا سفر اور کھوڑے سے اکتے ڈاونٹ کا سفر، خدا کی پناہ، ایک روز ۳ میل کا سفر کھوڑے پر کیا۔ آپ اندر زو کر سکتے ہیں۔ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی لیکن جو تکلیف موت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، وہ دلائل یہ بات ہے۔ یہ بھی اقبوں کی ایک نثر کی تحریر ہی سے بتا چلتا ہے کہ سردار بیگم، اس قدر نیک، سچ، شہباز و فراخ حوصلہ تھیں کہ جب ان کے سوتے ہوئے آفتاب نے علامہ کا ہاتھ مارا، ان کا بازو مثلاً بہ سید، اور علامہ نے رقم دینے سے معذوری ٹھہر کی تو سردار بیگم آفتاب کو رقم بھیجنے کے لیے اپنا زیور بیچنے پر تیار ہو گئیں۔ ۲۔

یہ معلوم ہے کہ علامہ کے بڑے فرزند آفتاب اقبال بعض وجوہ سے علامہ اقبال سے دور رہے۔ اقبوں کی نثر سے ان وجوہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آفتاب ایک زمانے میں علامہ کے نام پر ان کے ایک قدر دان سراجہ حیدری سے تنہا مالی رقوم لیتے رہے۔ ۵۔ مثلاً لندن کے زمانہ طالب علمی میں آفتاب نے سراجہ حیدری سے ۱۹۰ پونڈ کی رقم بطور قرض حاصل کی، بعد ازاں سراجہ حیدری پر شاد شاد کے دستخطوں سے اس قرض کو واپس (donation) قرار دے کر معاف کر دیا گیا۔ آفتاب نے پھر اپنی مالی مشکلات اور والد کے عدم تقاضات کا ذکر کرتے ہوئے سراجہ حیدری کو لکھا کہ وہ (سراجہ) میرے والد کو اپنے بیٹے کی مالی امداد پر آمادہ کریں۔ سراجہ نے اقبال کو ایک مختصر سا خط لکھا، تب انھیں اندازہ ہوا کہ صورت حال کیا ہے؟

علامہ نے سراجہ کو بتایا یہ کہانی بڑی لمبی اور تکلیف دہ ہے اور اگر آپ کو صحیح صورت حال کا علم ہوتا تو شاید آپ مجھے غصہ نہ لکھتے، میں نے اپنی استعانت سے بڑھ کر آفتاب کی مالی مدد کی ہے، حالانکہ مجھ سے اور خاندان کے دوسرے افراد سے اس کا رویہ نہایت قلیل، متراخص رہا ہے۔ لکھتے ہیں

No father can read with patience the nasty letters which he has part of the <sup>6</sup> written to us and which he is doing now, is only the black-maling scheme

مزید لکھا:

in all <sup>7</sup> It is impossible for me to describe how he has behaved these years.



میر تقی، اقبال کے چند بہت سے نامور شاعر تھے۔ ان کے نامور شاعر تھے۔ ان کے نامور شاعر تھے۔

میر تقی نے جو نظمیں لکھی ہیں، ان میں سے بہت سی نظمیں ایسی ہیں جن میں ان کے اپنے  
 اپنی سوانحی اور ادبی زندگی کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ  
 ان کے معاملات بھی پیش آئے ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کے معاملات سے جانتی ہے۔ ان کے  
 ہے کہ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس  
 قوت ہے۔ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس  
 رہے، اس کی تفسیر میں تقی نے کہا ہے۔ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ان کے  
 کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔

میر تقی نے اردو، فارسی، انگریزی میں کئی جہاں اپنے نامور شاعر اقبال سے بہت سی باتیں  
 وہ جہاں کے مستقبل کے بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے۔ ان کے مستقبل کو زیادہ محفوظ بنانے کے لیے  
 انہوں نے کیا کیا؟ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس  
 چتا ہے جن میں انہوں نے تین چار نہایت قابل عقائد دوستوں اور عزیزوں کو پایہ اور میر تقی  
 Guardian (سرپرست) مقرر کیا۔

## ۲۔ شخصیت:

تاریخ میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جب کسی شاعر کی شاعری بڑی یا سن کر قارئین کے  
 سامعین اس کے معنی اور لہجہ کو سمجھنے میں تھک جاتے ہیں۔ ان کے قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تو ان کی  
 عقیدت اور رویدگی، تنہا دور دوری میں بدل گئی۔

ہمیں دعویٰ نہیں کہ علامہ قبال کوئی سماجی مخلوق یا بے حد متقی اور پرہیزگار و رنجیت منی  
 مسلمان (Practicing Muslim) تھے۔ ان کے معنی میں کی خواہش ضرور تھی کہ ان کے نامور شاعر اقبال کو اس  
 ٹیپ کے کارکنوں کی طرح وہ بھی میدان میں نکل کھڑے ہوں، ان کے شانہ بشانہ ترقی، زندگی، تحریکوں  
 میں حصہ لیں اور ان کی کونٹ میں سامراج برطانیہ کے خلاف جہاد و تحریکیں کریں۔ اس سلسلے میں  
 انہوں نے مولانا محمد علی جوہر کا بے شکناں سبب اور قبال کا تعلق بھرا جواب بہت معروض ہے۔

ذرائع قبول کے چند پہلو۔ مسرے نہ کے حوالے سے : اکثر رفیع مدین ماسی : عرقوں کا نوع ایک مختصر مطالعہ

درحقیقت قبول جیسے تہمت ایک سیاست دلت کی تیزی و طراری اور جوڑ توڑ کی مہارت ہے۔ ایک زہد و بدشگس کے سے رہد و اتوئی کی توقع بھی نہیں۔ کسی جا سکتی ورنہ رکھنی چاہیے۔ سامرہ کا ایک مخصوص مزاج تھا تاہم یہ نہ درست ہے کہ جیسے ہمیں عثر قبول سے معلوم ہوتا ہے، وہ شخصیت طور پر بہت نیک و معتدل اور متعین مزاج، خوش دار، نمود و نمائش اور سادت سے ریزاں و منہ رنخس تھے۔ آسانی سے غصے میں آتے اور نہ مشتعل ہوتے تھے۔

سورہ انسان قبول میں کیا خوبیاں تھیں؟ یہ سرچ اب میں کیا کمزوریاں اور کوتاہیاں تھیں؟ ولدین، دوست، حباب، اساتذہ، عزیزوں، رشتہ داروں، شائردوں و خردوں سے ان کا رویہ اور سلوک کیسا تھا؟ اس سرچ کے سوالوں کے جواب بھی ان کی نثر سے ملتے ہیں۔ اور یہی جوابات قبول کی حقیقی شخصیت کو سامنے لاتے ہیں۔

شاعراں کو تمنا یہ نر د ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ سمجھ دیں، حرف آفر ہے اور کسی کو حق نہیں کہ وہ ان کی کسی ٹی ٹی یا قمری بچی دکی کی نشان دہی کرے۔ سلامہ اقبال، اول تو تسلسل کے ساتھ اپنے شاعر ہونے کی تردید کرتے رہے، اور بس ان کے کلام پر کچھ لوگوں نے اعتراضات کیے سلامہ نے اس کا برا نہیں مانا۔ اعتراضات بھی بڑے طنزیہ انداز میں کیے گئے تھے مثلاً بالکل ابتدائی دور میں ”تقید ہمدرد“ نے ان کی شاعری پر سخت گرفت کی اور انھیں فن شعر سے نابلد ٹھہرایا۔ اقبال کی ایک غزل بھی دنوں شائع ہوئی تھی اس کے حوالے سے ”تقید ہمدرد“ نے لکھا : ”ہم سمجھتے تھے۔ پروفسر اقبال صاحب اردو میں غزل نہیں کہتے۔ آج ان کی ایک غزل نظر آگئی۔ اس غزل کے دیکھنے سے اندر رہ دیتا ہے کہ پروفسر صاحب ذہین اور طبیعتاً رتو ہیں لیکن بے اسناد و رے ہیں۔ گرد بی یا کھو کے کسی بہنے مشق شاعر کو اپنا کلام دکھایا کرتے تو یہ فیماں نہ رہتیں“<sup>۱</sup>۔

علامہ نے اس طرآنش سے اور نہ معترضین کے استہزائیہ اور طنزیہ سب دلچت سے بے مزہ ہوئے۔ بلکہ بڑے حوصلے اور تحمل سے اپنی شاعری کے بعض مقامات پر کیے۔ پھر قدما کی اسناد کے ساتھ اعتراضات کے جواب دیے۔ انھوں نے اپنی ”بعملی اور کم مائی“ کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ ”مجھے زبان

درواقی قبوں سے پیدا ہوا ہے۔ اس سے پہلے اس کا ذکر تو نہیں ہوا تھا۔

دن کا وہی ہے نہ شام کی کاغذ پر حسن کے مستند ہونے کے مترادف ہے۔ یہاں سے پہلے جو بڑا بڑا "تغیہ" اور "کتاب" دیکھے گئے ہیں ان کا انداز بھی ان کے ہوا بہت سے تھا۔ مزید برآں ان خوبات میں سے ان کی محبت اور ہونے پر ان کی رشتہ داری ہوتا ہے اور یہ بھی یہ چہتا ہے کہ وہ مستند میں ہی رہا اور ان کی شہر کی کامیابی سے مراد کہتا ہے۔

مختلط قبوں سے یہ چلتا ہے کہ اقباس ایک طسپ علم کی طرح ہے دوستوں بہت سے ہیں کہ انہیں ان کے کام کی انہیں سے آگاہ کیا جائے۔ مثلاً خوب خوب انہیں ان سے تو ان کے قبوں کی شکل پر پی رائے تھی تو جو باقاعدہ نے بہا شہرانی کے وقت آپ کی تہذیبوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ میر کی جہ علم کے متعلق آپ اس قسم کا ایک ہی لکھ دیا کریں۔ میں آپ کا بہت مسکین ہوں۔ "اسلام" سید سیدان ندوی نے رموز بے خودی پر ریویو لکھا تو نہ صرف ان کا شعر یہ "اسی چہرے میں" کہ آپ ان غرضوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میر کے لیے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا۔ اگر آپ نے اسے غلط فہمی سے نہ ٹوٹ رکھے ہوں، تو بہر حال اس کے مجھے ان سے آگاہ کیجئے کہ دوسرے انہیں میں ان کی اصلاح ہو رہی ہے۔

سید سیدان ندوی اور مولانا حبیب الرحمن خان تروانی سے اپنی محنتوں کی نشانی ان کے بہ درخت است کرنا اقبال کے حد درجہ اسرار کی دلیل ہے۔ وہ دو بار بار بہت شاعر ہونے سے انکار کرتے ہیں تو یہ بھی ان کا علمی کسار ہے اور نہ ایک بے شکل شاعر ہونے کا حیران سے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ شہر قبوں میں ان کے شخصی کسار کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً شاعر صدیقی نے صانع کے لیے میں ہاں مہارم بھیجی تو علامہ نے جواباً لکھا "اردو زبان میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا کہ آپ کے کلام کو صحت اور "نیا" گرائی کے نام، ایک درخت میں بعض الفاظ و تراویب کی صحت و استعمال کے بارے میں ایسی دقتیں کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایتھے شخص کی مہارت زبان کو (وہ خود لکھ کر کرے) تسلیم کرنا چاہیے۔

اصلاح نگار کا ذکر کیا تو بتانے کی بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص علامہ سے اپنی کتاب پر مرے مانتا یا دلی سنا کر اپنا مجموعہ کلام ان کی خدمت میں بھیجتا اور تشریف کے لیے اسے ارہماتا تو اس کا اس رکھنے کے



مردوں قبوں تک پہنچے۔ مصریوں کے جوابات ڈسٹرکٹ انسپکشن آف پولیس کا توجہ ایک محترم لکھ

لئے ترقی دیا گیا۔ یہاں پر سرسری کی باتیں نہ ہوں۔ ان کے کلمات تقریباً عموماً حوصلہ فراہم کرتے، مثلاً  
 ”آپ کی کتاب عام مسلمانوں کے لیے ہدایت کا موقع ثابت ہوگی“ ۱۶۔ فتح قسطنطنیہ کے مصنف حاجی  
 بدیع الدین لکھتے ہیں ”آپ کی کتاب نہایت دلچسپ اور مفید معلومات کا خزانہ ہے۔ آپ نے یہ  
 کتاب لکھ کر دوسرے میں ایک مفید اضافہ کیا ہے۔“

منشی پریم چند کون کی کتاب پریم پنچھی پر یہ رائے دی ”آپ نے اس کتاب کی اشاعت سے  
 اردو سڑچ میں ایک بہت قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ ان کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انسانی فطرت  
 کے سر سے خوب واقف ہے اور اپنے مشاہدات کو ایک دلکش زبان میں دیکھ کر سکتے ہیں۔“

تاریخی و سنسکرتی کتابوں پر تھریز سے قطع نظر، نئی طرح کے حجت مندان کے پاس آتے  
 تھے۔ کسی کو ملزمت کی حالت ہوتی، کسی کو داغے کے لیے ان کی سندرتن مطلوب ہوتی تو کسی کو اپنی صنعت یا  
 اپنے فن کے بارے میں ان کی رائے درکار ہوتی۔ علامہ ان سب کی حوصلہ افزائی کے لیے اچھے الفاظ اور  
 مناسب انداز میں تحسینی کلمات یا رقعہ لکھ دینے میں تامل یا بخل نہ کرتے۔ انھوں نے مختلف اوقات میں  
 بنھور کی مسکراہ بریری، کامپو پوٹین سکینی، محمد شوق جرح کی جراحی، حکیم ظفر یاب سی کے یونانی دواخانے  
 اور اردو مرکز لاہور وغیرہ کے لیے تحسینی کلمات لکھ کر دیے۔ ۱۷

مخبر قبوں میں حوصلہ افزائی کے ایسے واقعات میسوں کی تعداد میں ملتے ہیں جو ان کی فیاضانہ طبیعت کی دلیل  
 ہیں۔

سالمین محترم!

شاید آپ یہ سوچیں کہ میں نے سزا قبوں کے آئینے میں، ایک ”مرد کامل“ اور ”ایک فرشتہ“  
 دریافت کیا ہے تو ایسا ہرگز نہیں۔ سزا قبوں، علامہ کی بعض کمزوریوں کو بھی آشکار کرتی ہے، مثلاً یہ کہ علامہ  
 اقبال نے اپنی حیدر، وراثت کے شرعی قانون کے تحت تشہیم نہیں کی۔ جاوید قبوں کو جاوید منزل کا واحد  
 وارث بنا دیا اور بیٹی منیرہ کو اس کا شرعی حصہ نہیں ملا اور بڑا بیٹا آفتاب، قبوں بھی اپنے شرعی حصے سے محروم  
 رہا۔ کو یہ نسل والدہ جاوید کے دستخطوں سے ہوا، مگر ان سے دستخط کرانے والے خود علامہ تھے۔ آفتاب قبوں  
 کو تو ایک طرح سے حاق کر دیا گیا۔ گو، یہ اس وجہ سے ہوا کہ آفتاب نے (غالباً اپنی) کی تربیت پا کر



عمرہ کی اقبال کے بعد پہلا مسافر ہے، اسے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے قتل ہاتھوں ایک شہر میں د

علامہ کے بڑے بھائی نے جو ماہر بائیس سالہ تھے، لیکن پھر کسی مبارزت کی تلاش کرے  
تے۔ جنک ڈسٹرکٹ بورڈ میں ٹیچر کی سہائی کے لیے اس خیال سے اسٹوڈیو اپنے کدو میں بیٹھے  
کا سفر کرتے رہیں گے۔ یہ جہاں فرائض میں وقت فوقتہ پرے نہیں دیا، نہ کچھ بھی شامل ہے۔ بڑے حجاب میں  
یہ ان کے بس کی بات تھی، وہ بھی آگے۔ علامہ کا چاہا تو انہیں کھانا ضرورتوں کا حساب بعض اوقات آپ  
نے اس وقت رستہ پر چھینے (کذا) کرتا ہے، خدا پرستوں کو دیکھنا چاہیے۔ ان سب، اللہ خود بخود دسمان ان کے  
پورے کے نکل آتے ہیں۔ اس اطمینان فرما میں، مجھے اس کی بات پر پھر دہاتے۔ ۲۶

ایک ڈیڑھ برس بعد اسی تسلسل میں انہیں پھر لکھا "آپ اپنے تمام مصروفیات کے سپرد کر  
کے اپنے قلب کو دیکھنا سے فارغ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ غیر متوقع سہانہ مراے کا مجھے اس کا پورا یقین ہے۔"  
قبول خواہی اللہ سے اپنے منسوب تعلق کی وجہ سے کی خاطر کوری بانوں رزم شد کے حصول بلکہ  
بہ مزمت صد کے حصول کے لیے، جائز ذرائع اور طریقوں سے اجتہاد کرتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں جب وہ  
بجانب اسپتال کا انجیشن تر رہے تھے تو کچھ لوگوں نے برادری کی مسہیت سے فائدہ اٹھانے کی بات کی۔  
علامہ نے محض اپنے کشمیر کی ہونے کی حیثیت سے فائدہ اٹھانے سے دو ٹوک، انکار کر دیا۔ اس موقع پر ان  
کے جذبات کہتے۔ "ما حطہ کیجئے" جو لوگ مجھے کشمیر کی سمجھ کر پرچیاں (دوٹ) دینے کے آرزو مند ہوں، وہ  
پرچیاں بندیں، ہاؤک فرقہ بندی کی بے بر میری آمد کے خواہاں ہوں، وہ اس مدد سے بعد خوشی دست کٹر  
نہو جائیں۔ میں مسلمان ہوں اور کلمہ شہادہ ہم ہوں، مسلمانوں کی نمائندگی کرنا چاہتا ہوں۔ جو شخص میری اس  
حیثیت کو پسند کرے، وہ میری مدد کرے۔ میں سلام کے سوا کسی دوسرے رشتے کا معتقد نہیں۔" ۲۸

یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت دنیاوی بینہوں، مردوں اور دنیاویات سے دور تھی۔ ان  
کی سوچ کا انداز ہی مختلف تھا۔ زندگی کے مقصد بھی اچھے اور تھے۔ ایک اقتباسات دیکھیے۔ سید نذیر  
نیازی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "ایک مسلمان کے سے رضا ابھی کی ہر شے پر مقدم ہے ورنہ  
مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔" ۲۹

سید والدین نور محمد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "دعا کریں کہ اللہ ہمارے ساتھ انصاف نہ  
کرے کیوں کہ ہم اس کے انصاف کے متحمل نہیں ہو سکتے اب اسے وہ ہم پر اپنا فضل و رحم کرے۔" ۳۰







میں نے اس کے مدد پر مسرت سے کہا کہ "میں نے اس کے لئے تمہاری دعا کی ہے۔"

تو اس نے کہا کہ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔" یہ ایک عجیب سے کام ہے۔

اور یہ وہی وہی ہے اور اس کی دعا میں اس کے لئے دعا کی ہے اور اس کے لئے دعا کی ہے۔

اس نے کہا کہ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔" یہ ایک عجیب سے کام ہے۔

اس کے اخراجات کے لئے اس نے دعا کی ہے۔ ان میں سے ایک ہے کہ اس نے دعا کی ہے۔

اس نے دعا کی ہے کہ اس نے دعا کی ہے۔ اس نے دعا کی ہے کہ اس نے دعا کی ہے۔

سیالکوٹ ایک سو روپے ماہوار بھیجے جاتے تھے۔ ۳۶

۳۔ ذوق مطالعہ و تحقیق:

ملازم اقبال ایک بہت بڑا مسرت ہے۔ اس کی اس طرح میں اپنے دوسرے کاموں

دو اتنی دیر ہے کہ اس کی تحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ صرف دہائیوں کے لئے ہے۔

اس کی تصویف، تاریخ، معاشیات، فلسفہ، نسبت، اندازیات اور فرس، وغیرہ اس کی اس طرح ہے۔

کی تفصیل ہمیں ان کی نثری تحریروں سے ملتی ہے۔

ذوق مطالعہ و تحقیق کے لئے ایک تو وہ دوستوں کے ساتھ اس سے تائیں مستعد رہے۔

پڑھتے، مثلاً سید سید، اندوکی دیکھتے ہیں "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس کے بعد ترجہ مواقف دیکھتے ہیں کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس پر اس کی اور اس پر اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

سید سید اس اندوکی کے نام خطوط سے یہ چاہتے ہیں کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔

اس کے لئے دعا کی ہے کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس کے لئے دعا کی ہے کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس کے لئے دعا کی ہے کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس کے لئے دعا کی ہے کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس کے لئے دعا کی ہے کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

اس کے لئے دعا کی ہے کہ اس کے لئے دعا کی ہے۔ "میں نے اس کے لئے دعا کی ہے۔"

دستیاب ہوں گی؟ ۳۹





رائس قلم سے یہ سچے سچے سحر کے دھندے

سحر کی دھندل سی

سحر قلم ہاتھ پکڑے

علامہ نے علوم شرق و غرب کا علم حاصل کیا تھا جن میں مستشرقین کی تصانیف اور فہم

اسلامیہ کے متعلق مغربیوں کی تحقیقات شامل ہیں۔ یارپ کے یہ سارے قیام کے دوران میں متعدد مستشرقین

سے ملاقاتیں اور شخصی رابہ اخیط بھی رہا۔ ان کے شا اور بعد ان کے یارپ کے دستوں میں انہوں نے

مطالعہ عربی، عربی، ہسپانیہ اور اٹلی کے تعلیمی، علمی و تحقیقی اداروں کا مشاہدہ کیا۔ علامہ کی تصانیف میں

’جہاں تک سلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے

متصدن میں ہیں جن کو سامان تحقیق اور تحقیق حق کے نہ بری قسم میں چھپایا جاتا ہے۔‘ ۳۱ ایک اور فہ

میں لکھا ”میں یورپین مستشرقین کا قابل نہیں کہ ان کی تصانیف یا ہی پرانیات سے یہ تبدیلی متصد کی تحقیق

ہوتی ہیں۔“ ۳۲ علامہ اپنے استاد پروفیسر رنلڈ اور نامور مستشرق پروفیسر براون کے متصد تحقیقات کے

بارے میں بھی کسی قدر تحفظات رکھتے تھے۔ ۳۵

علامہ اقبال نے بے علمی و تحقیقی ذوق کی مناسبت سے متعدد علمی مسائل و مباحثات پر بحث

کے لیے قلم اٹھایا اور اس طرح ان کے قلم سے جنس شد کا تحریریں وجود میں آئیں۔ جو پتہ انہوں نے کیا اور

ارادہ، گمراہی میں بہت سے مقامات گئے، ان سے ان کے تحقیقی ذوق اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

اقبال کے یہ سارے علمی و تحقیقی مضامین مقالات اقبال ۱۶ Speeches and Writings

statements of Iqbal کی صورت میں مدوں ہو کر دستیاب ہیں۔ (۱۔ چہ راہ متانت و تدابیر

خاصی ناقص ہے)۔

علامہ کی بعض علمی کاوشیں انہیں ہیں جنہیں ان کے ”باقیات ستر“ میں شمار کرنا چاہیے مثلاً تصوف

کے موضوع پر جو کچھ لکھنا چاہتے تھے، اس کے قسط دو باب لکھ کر دے گئے۔ کیوں دے گئے؟ انہیں اس سے کٹر

نہیں دو تصوف سے تہذیب و ادب کا تعلق رکھنے لگے تھے چنانچہ اس موضوع پر مزید لکھنے سے باز

آئے۔ بہرحال جو پتہ لکھا ’’تاریخ تصوف‘‘ کے نام سے چھپ گیا ہے۔ ۳۸ اس میں مطالعہ

’بیدل برگساں کی روشنی میں‘ کے نام سے نیا ایک سول گمراہی متاثرہ گمراہی فراتی

صاحب نے دریافت و ہدایہ کے بعد ترجمہ کر کے مع حواشی و تصدیقات شائع کرایا ہے۔ ۳۹ علامہ نے

ایک اور مسئلہ ’’The Problem of Time in the Muslim‘‘

ہذاں قرآن کے ساتھ منسوب ہے۔ ان میں سے ایک کتاب ہے "قرآن و تفسیر"۔

Phenology کے عنوان سے لکھا تھا۔ یہ کتاب کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ ان کے ترکے سے ان دوستوں کو ایک ایک دستیاب ہو رہا، اسے بھی فرقی صاحب نے اپنے اوقات کے ساتھ مرتب کر کے شائع کر دیا۔ ۵۰

اقبال کی نثر سے ان کے متعدد ذخیرے منسوبوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ خطوں میں انہوں نے زیادہ تر اپنے ہی منسوبوں کا ذکر کیا ہے جو "بے شکنی ہا کہ ناگشتہ ماند" کے مصداق اقبال کے ذہن سے صفحہ قرآن میں برکتیں نکالتے۔ ہم انہیں "اقبال کی موجودہ تصانیف" کا نام دے سکتے ہیں، مثلاً: انہ۔ دس دماغ کی سرگذشت۔ اقبال کی نثر میں اس طرح کے حصے ملتے ہیں "میں اپنے دل و دماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں"۔ یہ ایک اور جگہ کہا ہے کہ اگر کبھی فرصت ہوئی تو یہ اس لیے لکھوں گا کہ (میرے) خیالات کا تذکرہ بھی کتاب اور اس کے لیے سبق آموز ہوگا۔ ۵۱

ب۔ مقدمہ القرآن اس مسودہ کتاب میں علامہ اپنے مطالعہ قرآن کے نتائج بیان کرنا چاہتے تھے۔ آخری زمانے میں قرآن حکیم پر کچھ لکھنے کی خواہش شدید تر ہو گئی تھی اور اس ضمن میں ان کے عزائم بند تھے، مثلاً "کتھ مدت کے لیے مقدمہ قرآن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا۔ اتنی اب زندگی میں مجھ کو کوئی دیکھی نہیں رہی"۔ ۵۲، یہ سلسلے میں ایک بار یہ کہا "ان شاء اللہ یورپ کی تمام Theories کو توڑ بیٹھ کر رکھ دوں گا۔ ارادہ ہے قانون کی تمام کتب حج کرفقہ، حدیث اور فقہ سیرت پر کر دوں گا۔" ۵۳

ج۔ اسلامی فقہ کی تاریخ علامہ، اسلامی فقہ کی تاریخ اور اس کی تدوین نوے بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ ایک دفعہ میں لکھتے ہیں "فقہ اسلام میں اس وقت تک مفصل کتاب بربان انگریزی زیر تصنیف ہے۔ جس کے لیے میں نے مشرور شام سے مسالہ جمع کیا ہے"۔ ۵۴ لیکن غائبانہ کچھ نہ لکھ سکے۔ ان کے ادبی ترکے میں ایسے کسی مسودے کا سراغ نہیں ملا۔

بعض علمی تحقیقی ورکوں کے قیام سے ان کی دل چسپی کا پس منظر تدوین فقہ کی یہی دیرینہ آرزو ہے۔ انہوں نے پٹنن کوٹ کے جوبھڑی نیڑی خان کے ادارے اور اسلام آباد کی مجلس میں باقاعدہ شمولیت بھی اسی لیے اختیار کی تھی۔

د۔ فصول الحکم پر تنقید ۱۹۱۶ء میں سراج الدین پان کے نام خط میں لکھتے ہیں "جہاں تک مجھے علم ہے



’رائی قہر کے پردہ پہاڑ سر پہ سے ہات سے نکالنے کے لیے مدد میں نہ تھی۔‘ مثلاً قہر کا ہونا یہ شخص مراد

قہر کے فوری رد نامہ زمیندار میں یہ نہ نتیجہ پایا، اس میں اخلاص کی کوئی نہ تھی میری طرف  
 بات یہ دنیا کی منسوب کی تھی۔ بات تو یہ تھی، ت رشتہ میں سے زیادہ یہ سلام سے خارج ہو  
 جانے کے مترادف ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ  
 نبی بنائے گئے۔ آپ کی مراد میں بہترین حدیث قرآن سے تجویز کیا ہے۔ سرمایہ داری کی قوت جب  
 حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی آفت ہے۔ قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب  
 حدود میں رکھنے کے لیے قانون میراث، حرمت ربا، اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ  
 بھی کہ ”روسی یا شوزم یورپ کی طاقت ناندیش اور خواہ مخواہ سرمایہ داری کے خلاف ایک ربر دست رد  
 عمل سے نکلے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی یا شوزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔“  
 علامہ کی یہ تفصیلی وضاحت نہ صرف ان کے مذکورہ بالا اشعار کی تشریح ہے، بلکہ اس سے سرمایہ داری اور  
 کمیونزم کے مابین میں ان کے دوڑک خیالات واضح ہوتے ہیں۔

اور ڈکری ہو اپرو فیسر مل حمد سرور کے، ستھسارنا۔ علامہ نے اسی خط میں انھیں دو مشورے دیے ہیں  
 تمہیں کہیں ”آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اس لیے کہ میں نے  
 اگر میرے خیال صحیح ہے تو آپ وہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف بھی متوجہ کریں کیونکہ ایسا کرنے  
 سے بہت سی باتیں خود بخود آپ کی سمجھ میں آجائیں گی۔“ اسی ذمہ میں سرور صاحب کے لیے دوسری نصیحت  
 یہ تھی کہ ”میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حدیثی اسد میں کام لیں کہ ممکن ہے کہ آپ انھی  
 نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہوں۔“ اے

علامہ اقبال نے مسوینی پر ایک ظلم کبھی جو چھوٹی طور پر اس کی تعریف میں جاتی ہے۔ (بال  
 جیل، ۵۰-۵۱) مگر جب مسوینی نے جیش یرملہ کی اتوار علامہ نے ”بلی سیپا“ کے عنوان سے دوسری  
 نظم لکھی، مسوینی در حلیہ کی مذمت کی۔ اس کی نظموں کے حواصے سے کہا گیا کہ علامہ کے کلام میں تضاد  
 در تقاض ہے۔ اس کی وضاحت علامہ نے مٹھ میں اس طرح کی ہے ”مسوینی کے متعلق جو پتہ میں نے  
 کہا ہے اس میں آپ کو تقاض نظر آتا ہے۔ آپ درست فرماتے ہیں، لیکن اگر اس بندہ خدا میں Devil  
 اور Saint دونوں کی خصوصیات جمع ہوں تو میں اس کا کیا سامنا کروں۔ مسوینی نے اگر کبھی آپ کی





فروغیوں کے پند یہاں۔ عصر حاضر کے حوالے۔ ڈائریکٹر لہریں ہائی خرقہ اقبال کا توسیع ایک مختصر مطالعہ

ڈیٹنوں سے نکال دیا۔ یہاں علامہ نے اس دیباچے میں بڑی خوبی سے، دورِ امانت سب دلچسپی میں نفسہ خودی، اس کے پس منظر اور اس کی ضرورت و اہمیت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں ”لفظ خودی سے متعلق مانہ این کو آکاہ کر دین ضروری ہے۔ یہ لفظ اس نظم میں، یعنی فردرست مال نہیں کیا جیسا کہ عام طور پر اس میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم نفس اس نفس یا تمیز ذات ہے۔“ ۱۸۔ یہ دیباچہ اور اسرار خودی کے مختصر نمونے کے جواب میں علامہ کے متعدد مضامین ۶۹ تصور خودی کی بنیادی تشریح کرتے ہیں۔

مسئلہ ملکیت زمین، وہی خیالات کا ایک اہم موضوع ہے۔ زمین کا ملک کون ہے؟ جاگیردار اور زمیندار یا کاشتکار، یا حکومت اور پارٹی؟ تحریر ملکیت محدود ہے یا محدود؟ ہمیشہ کے لیے ہے یا کچھ عرصے کے لیے؟ اقبال پر تقسیم کے ایک بڑے ہم قومی، سیاسی سینڈ رتھے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک منکر تھے۔ نفسی منکر، اس لیے ملکیت زمین کے باب میں ان کے خیالات اور ان کے نقطہ نظر کی نسبت نتائج بیان نہیں۔ خوش قسمتی سے انھوں نے اس موضوع پر کلام منظوم و منثور دونوں جگہ اظہار خیال کیا۔ شاعری میں ہاں جبریل کی نظم ”ارشد لہ“ میں، جاوید نامہ کی نظم ”ارض ملک خداست“ میں اور اردو زبان کی نظم ”نہیں کی مجلس شورائی“ میں علامہ اقبال نے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا۔ ”بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے سرزمین“۔ اس کی تائید و وضاحت ان کے بعض خطوں سے ہوتی ہے، مثلاً خواجہ عبدالرحیم کے نام۔ ۱۹ جنوری ۱۹۳۲ء کے خط میں لکھتے ہیں ”اسلام کے نزدیک زمین وغیرہ امانت ہے۔ ملکیت مطلقہ جس کو قدیم و جدید قانون تسلیم کرتے ہیں، میری ناقص رائے میں اسلام نہیں ہے۔“ ۲۰۔ اے ایک اور خط میں لکھتے ہیں اسلام کے نزدیک ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ مسلمان صرف اس کا امین ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ میری رائے میں اگر کوئی مسلمان اپنی ریویٹ زمین وغیرہ کا خدا سے اسناد کرے تو حاکمیت اسلام کا حق ہے کہ وہ اس سے باز پرس کرے۔“

علامہ اقبال بتدائی رہنے میں تصوف کے قائل تھے لیکن بعد ازاں جب انھوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں نسبتاً وسیع مطالعہ کیا تو انھیں اندازہ ہوا کہ تصوف خصوصاً تحریک تصوف، اسلام جیسے عملی مذہب سے کوئی منہ بقت نہیں رکھتی، نہ روئے دین سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ شاعری میں وہ اس کا اظہار شعر بھر کرتے رہے مثلاً:

ہوں تو یہ سچا ہے کہ میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے اسے صوفی میں دیکھا تھا۔

فردوس، اسے اس وقت دیکھا تھا۔

(بال جبریل، ص ۶۵)

میں نے اسے صوفی میں دیکھا تھا۔

اس نے اسے دور سے دیکھا تھا۔

(صرب کلیم، ص ۱۴۳)

تھا جہاں مدرسہ، شیری و شاہنشاہی

آج ان خاندانوں میں ہے فقط روایاتی

(بال جبریل)

تہذیب، تصوف، شریعت، کلام

بتانِ عجم کے پنجاری تمام

(ایضاً، ص ۱۶۳)

یہ ذکر نیم شعی، یہ مراقبہ، یہ سرور

تری خودی کے گہیاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(صرب کلیم، ص ۳۳)

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں

بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

(ایضاً، ص ۳۹)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شمیری

کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری

(ارمغانِ حجاز، ص ۳۸)

میں نے اسے صوفی میں دیکھا تھا۔

نکرتاں اقبال کے چہرہ پر۔۔۔ مصرعہ نہ۔۔۔ وہاں سے، مزار فیض مدین ہاشمی، ٹکڑا اقبال کا توسع ایک مختصر مضمون

لی، نہایت سہ میں جتنی ہے۔۔۔ عام۔۔۔ ”اسرار خودی“ طبع اول کے دیباچے میں بتاتے ہیں کہ زواں، اختار میں تعمیرا چہرہ، ابن عربی اور دیودن ایرانی شعراء کے سریات اور سحر کی نے بھی اپنا حصہ ادا کیا اور ان مسے نے کلام نہایت کثرت پر کیا تھا۔ تمام اسلامی توام کو ذوق نعل سے محروم کر دیا۔ ایسے مزید برآں اقبال کا شعر یہ تصوف کیا ہے؟ اور وہ تصوف کے خلاف کیوں ہیں؟ اس کی بہتر تشریح دروضہ صحت سحر کی سے ریادہ بن کی تشریح کرتی ہے، مثلاً، ”تصوف کے راز خدا میں لی اتمل مراد ہے (اور یہی منہبوم فردن ولی میں اس کا بجا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر متاعش نہیں ہو سکتا، ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور انجمنی ترات کی دیر سے عالم کے تھاق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشنی فکریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔“

۱۹۱ء میں انھوں نے Islam and Mysticism کے عنوان سے ایک مختصر مضمون

لکھا جس میں وہ کہتے ہیں:

The present-day Moslem prefers to roam about aimlessly in the dusky valleys of Hellenic-Persian Mysticism which teaches us to shut our eyes to the hard Reality around, and to fix our gaze on what it describes as "illuminations" — blue, red and yellow Reality springing up from the cells of an overworked brain. To me this self-mystification this Nihilism, i.e., seeking Reality in quarters where it does not exist is a physiological symptom which gives me a clue to the decadence of the muslim world. The intellectual history of the ancient world will reveal to you this most significant fact that the decadent in all ages have tried to seek shelter behind self-mystification and Nihilism

گروہوں کو بے پرواہ نہ رہنے دے۔ مسٹر شیخ، مسٹر شیخ، ان کو باتوں کی بات نہ کرو۔

(اسی طرح مسلمان دنیا کی وہی تحریف کی تار یکا در میں میں جو متعدد و متعدد ناموں پر ہوتا ہے جس کی تعمیر یہ ہے کہ روایتیں کے حقائق کے ساتھ کہیں بندھنوں یا میں اور ان کے کہیں ہیں اور اس کی روشنی پر سرگزر کر کے بات کہیں "تبدیلیات" کا ماسویہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ دہائی کے ان لوگوں سے نہایت عجیب و غریب کرتی ہے جو ریاست کی کثرت اور ترکے، امت باہر ہو چکے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ ایک یہ خود ہاؤس تصوف اور فنائیت یعنی حقیقت کو اپنے مقام پر سمجھتی کرنا جس میں ہاؤس دینی خود ہاؤس ایک یہ دینی حاکمیت سے جس سے ہم اسلام کے رویہ نخطاط ہونے کا سراغ ملتا ہے۔)

اس شخصوں میں وہ ایک جہاں اس سر پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ تصوف کے کہیں نہیں دیتے بلکہ زندگی کے باطنی پہلو کے بھی قائل تھے، دنیا نچہ شریعت اور لریعت کی تقسیم دینی ہے یہاں سے یہاں سے ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

Do not listen to him who says there is a secret doctrine in  
Islam Herein lies the power of which cannot be revealed to  
the uninitiated This pretender and your thralldom. (74)

(اس آدمی کی بات پر دھیان نہ دیجیے جو یہ کہتا ہے کہ اسلام کا ایک باطنی یہودیائی اصول دینی ہے جسے غیر محرموں یا نا آشنا سادوں پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا)۔

وحدت وجود، تصوف کا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق مذہب اقبال کے خیالات ترقی وضاحت نہیں ہیں، متعدد وحدت وجود کے سب سے بڑے مبلغ شیخ سہراہی عربی کی معروف تصنیف "فصوص الحکم" کے بارے میں لکھتے ہیں "فصوص میں سوائے ہر زندگی کے اور چھو نہیں۔" دینے والی طرح سید سیمان ندوی نے، ہم ایک خود میں لکھتے ہیں "تصوف [وجودی] سر زمین اسلام میں ایک انجی پڑا ہے، جس نے بیسیوں کی دہائی تک وہو میں پرورش پائی ہے۔" "تصوف میں قرآن نہایت سنجیدگی سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کے ذہل و انحطاط اور ہوا دہائی کی سبب رائج وقت یا دینی تصوف ہے یہ رموز بے خودی [رسول ص ۶] میں اداسے "ہر غائب ہونا" قرار دیتے ہیں



نہایتوں کے چیدہ چیدہ سرور سے ہے : شریعت میں نہی : غرق و آلودہ ایک کھرمسور

شکل و برقابِ اہم اعضائے او

مرد تر از اشک او صہبائے او

دنیا چھوڑنے سے : ہر مذہب و مذہبوں میں مسلمانوں کوں دستہ بانیں : اور اپنے آپ کوں

Moslem youngmen! Beware of the mystifer his noose has now been too long round your neck The regeneration of the Moslem world lies in the strong uncompromising ethical Monotheism which was preached to the Arabs thirteen hundred years ago Come, then out of the fogs of persianism and walk into the brilliant desert sunshine of Arabia. (77)

(مسلم نو جوانو! اس [تصوف کی] شعیبہ بازی سے خبردار رہو۔ متعدد بازوؤں [صوفیہ] نے اپنی کند سے تمہاری گردنوں کو جکڑ لیا ہے۔ دنیا۔ اسلام کی نشانی کا انحصار اس پر ہے کہ لگی مٹی رکھے بغیر اس [خالص] توحید کو وثوق کے ساتھ اپنالیا جائے جس کی تعلیم تیرہ سو سال پیشتر عربوں کو دی گئی تھی (میری نسبت ہے کہ) اُسیٹ کے دھندلکے سے ہر ٹٹو، اور عرب کے درختوں میں چبڑاؤ۔) علامہ کے نزدیک زوالِ مسلم کا بنیادی سبب تصوف تھا۔ کئی جگہ وہ تصوف اور اس کے ساتھ ہی فلسفے سے بھی بیزاری کا سامن کرتے ہیں، مثلاً علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر عمر، مدین کو یک خط میں لکھتے ہیں

I have however, ost much of my intrest in Muslim Philosophy and Mysticism To my mind the Fiqh of Islam i.e the law relating to what is caled muamlat is far more important in the economic and cultural history of the world than mere speculation which has been unconscious cause of

ہاں ان کے بعد یہاں سے رہا ہے۔ اس کے بعد اس کی طرف سے سرکاری طور پر تعلق نہیں رہا۔

split in Islam. <sup>78</sup>

(فلسفہ و تصوف سے میری دلچسپی اتنی بڑھ چکی ہے کہ یہ بات ممکن قیوں آدیاں ہیں اور ان کے  
 سماج میں تشکیک سے یہ غیر شعور کی گروہ ہے۔ دنیا کی معاشی اور سماجی تاریخ میں یہ تصوف کی  
 سبب سے اس کی فتنہ جتنی اور قوتوا نہیں زیادہ ہم میں نہیں کا تصوف نے نہ دی اور نہ تو اس کے بعد یہ عالم  
 معاملات سے ہے۔)

نظر سے خیانت کا ظہور سامنے اپنی حیرت میں کی جہاں سے تصوف سے ہے۔ اس  
 علامہ کی رائے بائیں ایک طرف نہیں ہے۔ وہ "سوائی تصوف" کے فروغ کو ہر سائی کے لیے مفید سمجھتی ہیں  
 اور قدیم تصوف کی خدمات سے بھی استفادہ کرتی ہیں۔ اس کی تیسری بھی سائی ہے اور یہ وہ ہیں۔  
 ۶۔ سیاسی فکر:

اقبال کی اثر سے متاثر ہوتے ہوئے وہ ملکی سیاست کا مزید انداز سے ملاحظہ کر رہے ہیں  
 "سب از حسب و رے سول سیاست سے بیزار" اور زیادہ تر اس سے ایک فاصلے پر رہے۔ پنجاب اسمبلی  
 سے سب سے رکنیت کے سوا، انھوں نے ملکی سیاست میں شامل ہو کر اپنی مستقل سرکاری کرسیوں پر بیٹھنے کی  
 زمانے میں مسلم لیگ کے جواب سے انھیں صدمہ رہا، مگر وہ یہ زمانہ تھا جب اپنی خراب حالت کے باعث ان کے  
 لیے کہیں آنا جانا بھی ممکن نہ تھا۔

۷۔

ابتداء سے سیاسی تحریکوں کی گتھی میں بڑا تھا۔ وہ سیاست کے اتار چڑھاؤ پر سب سے رکنیت کے  
 کانگریس، مسلم لیگ یونینسٹ پارٹی اور دیگر گروہوں کی پالیسیوں ان کے رشتہ داروں کی سرکاریوں اور ان کی  
 سیاسی قائدانہ یوں سے بخوبی واقف تھے مگر ان تمام باتوں کو نظر میں رکھتے، اور اپنی وقت انھیں سب سے  
 کرتے ہوئے ان کی وجہ سے بدستوری مسئلوں کی فہم و بہبود اداران کے سیاسی مستقبل پر موزوں رہی۔

۱۹۴۹ء میں وہ پنجاب اسمبلی کی رکنیت سے سبک دہی ہو گئے تھے لیکن مسلمانوں کے مسائل  
 سے غافل نہ تھے۔ ان کے مستقبل کو بہتر بنانے اور سنوارنے کے بارے میں ہر وقت سوچتے رہتے اور ان  
 طرح کی تدابیر پر غور کرتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں ہاتھ اندھا کانگریس کی تجویز پر بریت تھی مگر ان میں

نہیں تھا کہ چن پہلو مسلمانوں کے حوالے سے۔ ڈیڑھ سو سال پہلے، انگریزوں کا توغ ایک مختصر مبالغہ

۲۳ء مسلمانوں کا بریں! اور کہ جس جس میں سے یہ کہ۔ کتاب، سندھ، سرحد، و بھوچستان کے مسلم زمیندار پر مشتمل کانفرنس منعقد کی جائے۔

اس طرح کی ساری تجاویز اور کاشمیریوں کے سیاسی تسکین کا نتیجہ تھیں، اور ان کاوشوں کا مقصد یہ تھا کہ۔ باب سندھ، بھوچستان اور سرحد کے مسلمان سوچیں کہ ان کے یہ جائز مراعات و حقوق کے لیے کیا کیا اقدامات کیے جاتے ہیں اور اس پر غور کریں کہ مستقبل میں ہندوستان کا نقشہ کیا صورت اختیار کرنے والا ہے؟ اور ہندوستان متحدہ صورت میں آزاد ہونے والا ہے تو شمال مغربی حصے میں مسلم اکثریتی علاقے اندرونی خود مختاری کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ خطبہ الہ آباد علامہ کے سیاسی تسکین کا نتیجہ تھا اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خطبہ ان کی سیاسی بصیرت کا شاہ کار ہے اور یہ شاہ کار نثر میں ہے۔

اگر آپ ذرا پیچھے چلیں تو معلوم ہوگا کہ اقبوں ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۰ء تک قریباً ۲۳ سال مسلمانوں کے فی شخص اور اپنے نظریہ امت کی وضاحت کرتے رہے لیکن ہندوستان میں اس نظریے کے مشکل ہونے کی کیا صورت ہو سکتی تھی؟ اس کی تفصیل ان کی شاعری میں نہیں، ان کی نثر (خطبہ الہ آباد) میں ملتی ہے۔ یقیناً یہی تسکین کا اظہار جس خوبی سے خطبہ الہ آباد، شاعری میں وسیع واضح اور دو ٹوک اظہار نہیں ملتا۔

علامہ اقبال نے خطبہ الہ آباد جس نثر کے ذریعے ۱۹۳۰ء میں ہندی سیاست میں ایک علیحدہ مسلم مملکت کا بیج بویا تھا۔ گو انھوں نے خطبے میں واضح طور پر ایک ملک کا مطالبہ نہیں کیا تھا، لیکن خطبہ الہ آباد کی تراداد پاکستان اور پھر حصوں پاکستان کے لیے جدوجہد کی بنیاد بنا۔ آج ہم اسی بیج سے اُگے ہوئے درخت (پاکستان) کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ اس کا پھل (اور پتا نہیں کیا کچھ) کھارہے ہیں۔

بھارت میں رہنے والے اقبوں کے بہت سے ہندو اور مسلم مذاہب وقتاً فوقتاً کہتے ہیں کہ پاکستان کا تصور زبردستی اقبال نے سر منڈ دیا گیا ہے، درحقیقت وہ تقسیم کے ہی نہیں تھے مگر بھارت ہی کے ایک دانش ور اور مصنف نقاد پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے اسی سسے میں ایک بار لکھا تھا کہ اگرچہ اقبوں کی شاعری سے پتا نہیں چلتا کہ وہ ایک مسلم مملکت قائم کرنے کے ہی تھے لیکن خطبہ الہ آباد سے یہ بالکل واضح ہے کہ انھوں نے ہندی مسلمانوں کو ایک علیحدہ مملکت کا تصور دیا۔ اسی طرح جگن ناتھ آزاد بھی علامہ اقبوں کو پاکستان کے ہیرو افرادوں میں خیال کرتے تھے۔ یہ خطبہ الہ آباد کی معنویت جو نثر اقبال

ان قوتوں سے یہ دوسرا مسہرہ بن گیا ہے۔ دوسرا مسہرہ ان کی طرف سے تو ایسا ہے جس کا  
 دین منہویرت بنی ہے۔

مطلوبہ کیا ہے؟ یہ ان کی آگے بڑھنے کے لیے ہے، مگر اقبال کی ٹیوٹورل سب سے پہلے اس کے  
 لیے ہے، سب سے پہلے یہ کہ علامہ محمد اقبال کی زندگی پر غور کیا جائے اور یہ ان کی زندگی کے حالات سے  
 سب سے پہلے آگے بڑھنا تو اچھا نہیں ہے کہ ان کی زندگی پر غور کیا جائے اور ان کی زندگی کے  
 عوام کی حاکمیت چاہتے تھے۔

اس لیے اقبال کے مزاج کا ایک نمونہ ہے، ایک نمونہ ہے۔ اس لیے اس کے حالات سے  
 دین کے بارے میں، اقبال کے مزاج اس کی حاکمیت پر غور کیا جائے۔ نہ صرف ہندی مذہب کے  
 مسئلوں کا مستقبل، بلکہ ان کی زندگی کے بارے میں صرف ان کے حالات کی حاکمیت کی  
 اختیار کی اور ان کی زندگی کے بارے میں، دوسری طرف سے دین کے حالات میں دوسروں  
 کے مستقبل کے بارے میں شرح شرح کی تجویز پیش کرتے رہے، اس کا نام کی زندگی ہے۔  
 ۱۹۳۱ء کے زمانے میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس مازک زمانے میں اسلام کی حاکمیت کے لیے ایک  
 فرسٹ کی شکل میں قومی قیادت قائم کیا جائے۔ "بھیس" اس کے اسلام کے سیاسی و دینی مقاصد کی شکل  
 اشاعت کا ممکن ہے۔ مسلمانوں کو قومی کیا جائے، ان کے اخبار اور نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں  
 مسلمانوں کو مسلمان متبادلات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے۔ قومی مسلمانوں کو  
 وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ "بھیس" کی زندگی  
 شرح کی کئی تجویزاتی ہیں۔

ساحین کرام!

بیک کی گزشتہ میں، میں نے سات نکتوں کے تحت، اقبالیات میں نثر اقبال کی اہمیت  
 واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے "میتہ نمونہ از خردارے" کی خیال کرنا چاہیے کیوں کہ اس وقت  
 کے لیے، ان کی طرح کے اس بارہ مزید نکتہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ چونکہ "بیان مسئلہ" کی حد تک واضح ہو  
 چکا ہے، اس لیے فی وقت ان کی سات نکتہ پراکتا منسوب ہے۔

اب نثر اقبال کی عبارت کرتے ہوئے ایک ہر ماسول یہ سامنے آتا ہے کہ جس طرح اقبال

نثر اقبال سے پہلے ۱۹۰۰ء میں لکھی گئی تھی۔ اس نثر میں باتوں کی ترتیب اور

صاحب اسلوب شاعر کی طرز بیان ایک صاحب اسلوب نثر نگار بھی ہیں۔ ان کے متعدد نامور نثری اداس  
اور قبائل شاعروں کے اس مجموعہ پر تنقید کی تہ در تہ نثر اقبال صاحب طرز نثر نگار قرار دیا ہے۔

بات نثر اقبال کی نثر میں خلوص (صدقہ وقت، وفاداری، استقامت، اور توانائی اور تاثیر بھی  
نہایت مزیدار ہے۔ اس کے لیے اس میں نہیں صاحب طرز نثر نگار کہیں مشکل ہے۔ وہ صاحب اسلوب شاعر ہیں،  
الہ ان کا نام لیا۔ ان کے شعور پڑتے ہیں تو نثر اقبال چل جاتا ہے کہ یہ اقبال کی شاعری ہے یعنی  
قبائل ایک خاص رنگ ہے۔ ان کوئی تہہ و پستی کر کے ان کے رنگ میں کہے تو اس پر بھی اقبال کے  
شعور کا نام نہ لے سکتے ہیں مثلاً اقبال کے ایک معاصر صادق حسین شاہ کا یہ شعر

شد کی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عتاب  
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

بار بار کی دہائیوں کے بارہود اقبال کے ساتھ چیک ہو ہے۔ ۵۰

جس بنا پر اقبال کو صاحب اسلوب نثر نگار کہنے میں جھگڑا تھا ہے، وہ یہ ہے کہ سیمتیں برس کی  
مدت پر پھیلی ہوئی اقبال کی نثر نگاری ۱۰ ایک رنگ نہیں بلکہ کئی رنگوں کا نگار خانہ ہے مثلاً غمخیزوں کے  
مشائیں اور علم الاقتصاد کا ایک خاص رنگ ہے۔ اس میں استدلال کی قوت تو ہے مگر انش پر داری  
کمزور ہے۔ ابدی مولوی انشاء اللہ خاں کے نام انجمن سے لکھے ہوئے خطوط خوب صورت نثر کا نمونہ پیش  
کرتے ہیں۔ اس میں مکتوب نگار کا مشاہدہ خوب صورت، غلطیوں میں داخل جاتا ہے۔ اس میں منظر نگاری  
کے نمونے بھی ہیں۔ ۱۲۱ بناب ممتاز حسن نے شاید انھیں خطوں کے پیش نظر لکھا تھا کہ قبائل کہیں  
نہیں تو نثر میں شاعری سر جاتے ہیں۔ ۱۲۳ اقبال کی نثر میں غمخیزوں کی روانگی نثر کا نثر بھی نظر آتا

ہے۔ وہ نثر کے بہترین معاصر (تشیہ، استعارہ، محاورہ، رور مرہ اور علمی اصطلاحات) کا خیس رکھتے  
ہیں۔ علم الاقتصاد اپنے دور میں رد و نثر کا ایک اچھا نمونہ بھی ہے۔ بعد ازاں جب یہ دور نثر نگار گیا تو  
علامہ کی نثر نے بھی قدرے دوسرا رنگ اختیار کیا۔ نثر اقبال کے نمونوں سے مختلف ہیں، اس لیے اسلوب بھی  
یکساں نہیں ہے۔



قرآن اقبال کے چند پہلو۔ مگر حاضر کے حوالے سے

ماہر کی توجہ اس لیے ہے کہ مشقِ تحریر کے لیے اس کے اندر سے  
 تکیہ یا تکیہ میں اس نے اقبال کے سر میں رہنے کی ضرورت دیکھی ہے۔ اس کے  
 یہاں ان کے لیے اس کا بے سوسو میں اس کے اندر سے تکیہ یا تکیہ  
 قوں و سب سے زیادہ آواز ہے۔ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 "ان میں سے ایک ہے۔"

جناب صدر! ایک شخص جو کہ یہ دن ہر اس کے لیے ایک نیا دن ہے۔  
 "جیسا کہ میں" بہتر دراز ستاری کا احسن نمونہ ہے۔ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 پہلے اقبال کا ایک نثر پارو آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

حدیث ہے "میں نے اسے تمام افراد ستم" یہ کرنا دیکھنے والا ہے۔ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 دیکھ کر اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 موجود ہوں اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے

at today you focus your vision on slam and seek insp.ration  
 from the ever-vitalising dea embodied n t, you will be only  
 reassembling your scattered forces, regaining your lost  
 integrity and thereby saving your self  
 from total destruction. 84

(اگر آج آپ اپنی نظریں اسلام پر جمادیں اور اس کے زندگی بھری نیش سے توجہ حاصل  
 کریں تو آپ اپنی پرانے قوتوں کو از سر تازہ کریں گے۔ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے  
 اقبال کی شہادت کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے)

عرفانی قہر - پندرہویں نمبر - ۱۹۷۷ء - انٹرنیشنل سائنس ہائی - قہر کا تعلق ایک مقررہ

حوالے اور حواشی

۱۔ تیسریل کے لیے انجیب، رشید حمید، زندہ رود کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ - یورپ اکادمی، سوڈن آباد، ۲۰۰۷ء

۲۔ اردو اشرافیہ کا ادبی و ناشر اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۲۰۰۷ء

۳۔ نسوہ اقبال، مرتبہ رفیع الدین ماسٹی - مکتبہ خیانت دہ لاہور، ۶-۱۹۷۹ء

۴۔ محبوبہ جون ۹۱۴ء - مسٹر ایڈیٹر، مکتبہ علوم اقبال - عی ز احمد، کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۰

۵۔ تیسریل کے لیے انجیب، اقبال کی تحقیق سید شکیل احمد - اقبال اکیڈمی حیدر آباد دکن، ۱۹۸۵ء، ص

۵۸-۳۶

۶۔ ایسا، ص ۵۲

۷۔ ایسا، ص ۵۵

۸۔ تیسریل کے لیے دیکھیے، اقبال یورپ میں ڈاکٹر سعید اختر درانی - فیروز سنزل ہور، ۱۹۹۹ء

۹۔ زندہ رود ڈاکٹر چوہدری اقبال - سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۶۱۳ - نیز اقبال، مے، مرتبہ ڈاکٹر

خداقی اثر - مکتبہ پرورش، اردو اکادمی، بہو پاس، ۲۰۰۶ء، ص ۲۰۸

۱۰۔ مولانا محمد علی جوہر ایک بار لاہور کے اور اقبال سے اپنے بے تکلف نہ انداز میں کہنے لگے ”کیا تم! ہم تو

تمہارے شعر پڑھ پڑھ کر جیل جاتے ہیں، لیکن تم دُعا دے رہے ہو، حق کے کش لگاتے رہتے ہو“ - اقبال

نے بردستہ جواب دیا میں تو قوم کا قوال ہوں درقواں خود وجود حال میں نہیں ہوتا، ورنہ قوالی ختم ہو جائے۔

آثار اقبال، مرتبہ غلام دستگیر رشید - سید عبدالرزاق حیدر آباد دکن، ۱۹۳۶ء، ص ۲۸

۱۱۔ اقبال کی صحت زبان، مرتبہ وناشر ڈاکٹر اکبر حیدر کی کتیمی لکھنؤ، ۹۹۸ء، ص ۲۲

۱۲۔ مخزن - ہور، اکتوبر ۱۹۰۲ء، کواہ مقالہ اقبال، مرتبین عبدالواحد معینی + محمد عبداللہ قریشی - انٹرنیشنل

پرائز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۷۳

۱۳۔ قہر، مرتبہ شیخ عہد، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۷۰

۱۴۔ ایسا، ص ۱۱۳

نہایت قبل سے چند چھوٹے سرائیکی شعریں لکھی۔ سرائیکی ادبیات میں سرائیکی

۱۷۔ انوار قبل، مرتب شیخ احمد، روبرو قمر احمد، پاکستانی پاکستان، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰

۱۸۔ مسند احمد، مدین، اقبالیت، نور، نور، ۱۹۶۹ء، ص ۲۸

۱۹۔ انوار اقبال، ص ۲۳۲

۲۰۔ ایضاً، ص ۲

۲۱۔ تنقید کے لیے دیکھیے، شمس الدین، قبل، مرتبہ عزیز، قمر احمد، پاکستان، ۱۹۹۳ء

مفتوح صفحات

۲۲۔ اقبال نامہ، ص ۸۸

۲۳۔ اقبالیات، خلد سوس، مرتبہ انجمن، مہر سوز، ۱۹۸۸ء، ص ۲۰

۲۴

۲۵۔ بنام حسنی، اقبال نامہ، ص ۹۶

۲۶۔ انوار قبل، ص ۱۱۰

۲۷۔ اقبال نامہ، ص ۴۰۲

۲۸۔ ایضاً، ص ۴۰۱

۲۹۔ مظلوم اقبال، ص ۳۰۴

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۳۳

۳۱۔ روزنامہ زمیندار، ۵ دسمبر ۱۹۴۶ء، کواہ، اقبال، روزنامہ زمیندار، مرتبہ ڈاکٹر، خٹا، ص ۱۰

۳۲۔ اقبال، ۱۱، ۲۰، ص ۱۸۳

۳۳۔ مکتوبات اقبال، مرتبہ سید نذیر، قمر احمد، پاکستان، ۱۹۵۷ء، ص ۲۰

۳۴۔ مظلوم اقبال، ص ۲۵۳

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۸۱-۲۸۲

۳۶۔ انوار اقبال، ص ۱۷۶

۳۷۔ مظلوم اقبال، ص ۲۸۱

۳۸۔ ایضاً، ص ۳۲۴

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۲۳

۳۶۔ ایضاً، ص ۳۰۳

۳۷۔ قبال نامہ، ص ۲۳

۳۸۔ ایضاً، ص ۸۶

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۴۰۔ ایضاً، ص ۴۱

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۹۸-۲۹۹

۴۲۔ ایضاً، ص ۱۸۶

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۹۶

۴۴۔ ایضاً، ص ۴۱۵

۴۵۔ مکتوباتِ اقبال، ص ۹۷

۴۶۔ مرتبین: سید عبدالواحد معینی + محمد عبداللہ قریشی۔

۴۷۔ مرتب: لطیف احمد تروانی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۹ء

۴۸۔ تاریخ تصوف، مرتب: صدر مکتوروی۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۸۵ء

۴۹۔ نثر و ترجمہ: ڈاکٹر نسیم فراقی۔ طبع دوم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۵ء

۵۰۔ ممولہ جہاتِ اقبال ڈاکٹر نسیم فراقی۔ بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۲-۲۹

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۵۲۔ ایضاً، ص ۳۱۳

۵۳۔ انوارِ اقبال، ص ۲۰۶

۵۴۔ مثنویات، مرتب: محمود نظامی۔ امرت نیکٹرک پریس لاہور، ص ۲۲۷

۵۵۔ شادِ اقبال، ص ۴۶

۵۶۔ اقبال نامہ، ص ۹۵

نہرو فی اقبال کے پسندیدہ مسرود شاعرانہ اور تاریخی و علمی ہیں۔

۵۔ مکتب اقبال، مکتبہ نیا، دہلی، مرتب: محمد تقی۔ اقبال اچانی، ج ۱، ص ۱۲۳

۵۸۔ اقبال بنام شاد، ص ۲۵۷

۵۹۔ اقبال نامہ، ص ۵۷۹-۵۸۰

۶۰۔ روزنامہ زمیندار، ۲۳ جون ۱۹۲۳ء، بحوالہ: نسور، قبال، ص ۵۱-۵۲

۶۱۔ اقبال نامہ، ص ۵۸۰

۶۲۔ ایضاً، ص ۵۸۰

۶۳۔ معروف مکتبی ۱۹۲۲ء، قبال، سید سید محمد علی کی تحریر میں، مرتب: اختر دہانی۔ برص قبال، بور، ص ۶۳

۶۴۔ اقبال نامہ، ص ۱۳۰

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۶۶۔ اقبال نامہ، ص ۸۸

۶۷۔ مخزن، ۱۵ جولائی ۱۹۵۰ء، ص ۵۵، بحوالہ: ارشاد، قبال، ص ۹-۸۰

۶۸۔ اسرار خودی، طبع اول، ص "ل"

۶۹۔ مشمولہ: مقالات، اقبال حوالیہ نمبر ۱۲

۷۰۔ انوار اقبال، ص ۲۳۵

۷۱۔ اسرار خودی، طبع دوم، بحوالہ: مقالات اقبال، ص ۱۵۱، ۱۵۲

۷۲۔ قبال، ص ۱۰۰

۷۳۔ Speeches، ص ۱۵۴

۷۴۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۷۵۔ اقبال نامہ، ص ۹۵

۷۶۔ ایضاً، ص ۱۱۲



’ذوقِ قبول سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔‘  
 ’نثری زندگی‘، ’ذوقِ قبول‘ کا نواں ایڈیشن شائع ہوا۔

۵۶۔ Speeches

۸۔ Letters of Iqbal، مرتب فیاض احمد، ذوقِ قبول اعلیٰ پاکستان لاہور ۸-۱۹ء، جس ۲۲۳

۹۔ اقبال نامہ، جس ۶۲۶

۱۰۔ یہ تصنیف ’قیسین شاہ‘ کے نام سے شائع ہوئی۔ کلامِ برکات میں شامل ہے۔ اس موضوع پر ’یورنٹ اسلام‘ کالج  
 راولپنڈی، ’رک‘ پبلشرز، ’ران‘ ۲۰۰۶ء میں ’’ناصر زیدی گمان کی افزائیں‘‘ کے عنوان سے پروفیسر سیف  
 اللہ مدظلہ اہل پسپ‘ مضمون قلمبند کیا ہے۔

۸۔ پروفیسر محمد متین نے لکھا ہے کہ اقبال کی نثری تحریروں کا آغاز ۱۹۰۳ء سے ہوتا ہے۔ (حیاتِ اقبال کا  
 ایڈیشن، ’’رکتہ جدید‘‘ لاہور، ۱۹۵۷ء، جس ۱۳۶) غالباً انھوں نے ’’قوی زندگی‘‘ (مخزن،  
 اکتوبر ۱۹۰۳ء) کو اقبال کا پہلا نثری مضمون دیا ہے۔ درحقیقت اقبال ’’قوی زندگی‘‘ سے پہلے کم از کم  
 دو اردو (’’بچوں کی تعلیم و تربیت‘‘ مخزن جنوری ۱۹۰۲ء، اور ’’رودِ زبان-جواب میں‘‘ مخزن اکتوبر ۱۹۰۲ء  
 اور ایک انگریزی مضمون

The Doctrine of Absolute Unity as Expounded by Abdul  
 karim al-Jilani.

(Speeches جس ۷۷-۷۹) لکھ چکے تھے۔

۸۲۔ خطوطِ اقبال: جس ۷۶-۱۰۳

۸۳۔ قلم و در عبدالحق، مرتب ممتاز حسن۔ مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۷ء، جس ۲۶

۸۴۔ Speeches، جس ۲۹

## اقبال . . اکیسویں صدی میں

پروفیسر غلام رسول ملک

ہم اکیسویں صدی کے دوسرے دہے میں، نسل سوچتے ہیں۔ اس وقت جب ہم اقبال کے تعلق سے اپنے ادبی اور تہافتی منظر نامے پر نظر ڈالتے ہیں تو کہتے ہیں ہمیں ہر گز پر دنیوی دلچسپی اور سرگرمی دکھائی دیتی ہے جو تقریباً ۵۷ سال قبل کئی افات کے بعد سے ہماری تہافتی زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں ان پر تسانیف کا سلسلہ برقرار ہے۔ اہم مابقی تہافتی مرکز سے نئے فکرو فن کے متعلق کئی موقر جرائد جاری ہیں۔ ان کے یوم ولادت اور یوم وصال پر بڑے پیمانے پر مناسبتیں منائے جاتے ہیں۔ ان مواقع کے علاوہ کبھی شہید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب کہ وہ دنیا یا، میں کسی مذاکرے یا جلسے کا انعقاد نہ ہوتا ہو۔ ایسا صرف بڑے صحیفہ میں نہیں ہوتا کہ جہاں وہ پیدا ہوا ہے وہ جہاں انکی زندگی بسر ہوئی بلکہ دنیا کے دوسرے مقامات پر بھی اور صرف ان تہائیوں اور اداروں ہی کے ہتمام میں نہیں کہ جو ان کے نام کے ساتھ وابستہ ہیں بلکہ دہلی اور تہافتی زندگی کی دوسری سطحوں پر بھی۔ انکی یاد ہم اس، نہج و سرگرمی سے نفس اسطے نہیں مناتے کہ وہ ایک بہت بڑے شاعر تھے۔ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ وہ تاریخ انسانی کے ان عظیم ترین شعراء میں شامل ہیں جن کے نام انشیوں پر گنے بکتے ہیں۔ لیکن انشیوں پر گنے جانے والے ان شعراء کی یا اقبال کی یاد کی طرح بہت وسیع و عریض پیمانے پر اور پائمانہ تسلسل کے ساتھ بہت کم منائی جاتی ہے۔ اقبال کے ساتھ اس ہمہ گیر ادبی اور مسلسل دلچسپی کی بنیاد یہ ہے کہ وہ بہت بڑے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ غیر معمولی بصیرت کے حامل دانشور، انسانیت کے شعور اور ارتقاء انسانیت کے حد کی خون بھی تھے۔ انکی دانشوری انکی شاعری کو تہہ دار معنوی صداقت (Substance) گہرائی اور وسعت عطا کرتی ہے اور انکی شاعری سے ’نئی‘ دانشوری میں غنیمت کی تاثیر اور متناظری کشش پیدا ہوتی ہے:

اسی دو شمع اندک از یکدگر فروختہ اند

صرف ان قرآن کے چند الفاظ سے اس کا تصور ہوتا ہے۔  
 - فیہ ناموساں ملک - قرآن انیسویں صدی میں

شاعری اور دانشور کی اس نام یاتی عذاب سے اقبال ہمعصر و ادب کی دنیا میں بہ شبہ ایک بے نظیر مقام حاصل ہوتا ہے۔ اُن کا اپنا شعر ہے:

حق اگر سوزے نہ دار حکمت است

شعری گرد و پُوسوزا ز دل گرفت <sup>۱</sup>

حکمت و شعری اس باہمی اتصال کے سبب میں یہ بات ہمارے ذہن میں ہمیشہ مستحضر رہنی چاہیے کہ تمام بڑے تخلیقی فن کاروں و شخصیات انتہائی تک ایف فیر سرئی (Uncanny) قسم کی رسائی حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن کا فن زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ثبات و دوام کا رنگ حاصل کرتا ہے۔ اسی مافوق زمان و مکان خصوصیت کا ایک بُعد (dimension) یہ بھی ہے کہ وہ اپنے زمانے سے آگے بہت آگے دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اقبال نہ صرف اس خصوصیت سے متصف تھے بلکہ انھیں اس کا بھرپور احساس بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے شاعر فردا ہونے کا جا بجا اور محتف پیرایوں میں اثبات کرتے نظر آتے ہیں:

من فوائے شاعر فردا ستم <sup>۲</sup>

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے

عکس اُس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے <sup>۳</sup>

مالم تو ہے، ابھی پردہ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اُسکی سحر بے حجاب <sup>۴</sup>

اقبال کی بہت بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ عظیم تخلیقی فن کار ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی تھے اور اس کی برکت سے انھیں اُس نسخہ شفاء کا مل تک رسائی حاصل تھی جو ان تمام صدائقوں کا امین و محافظ ہے جو سلسلہ انبیاء کے واسطے سے اللہ نے انسانوں تک پہنچائیں اور جن کے آخری حامل تھے صاحب قرآن، خاتم النبیین عیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ ابدی ہدایت نامہ اس کے ہزاروں کرنے و کرنے کی طرح زمان و مکان کی تمام



مردوں اقبال کے بعد ۱۹۰۴ء - مصری فلسفہ کے جوابات      پروفیسر خلد، رسول ملک      قبائل - اکیسویں صدی میں

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا<sup>۱۱</sup>

تہذیب مادی کے پرستار اب روح اور روحانی اندر کی بربادی کا جشن منا رہے ہیں صرف اس معنی میں نہیں کہ مادی مرکز و ثقلیت کی زیست سے محروم کر رہا ہے بلکہ اس معنی میں بھی کہ فکر و فلسفہ کے میدان میں بقاء قوی ترکی خدایت جس کا منشور نشاۃ ثانیہ کے آغاز میں مییادی کی کتاب الملوک (The Prince) سے ہو تھا فوٹو نامہ معقولت کے نت نئے پوتہ کچھن کر سامنے آرہی ہے۔ فرانس فوجی مائے Francis Fukayama کا تاریخ کا نت (End of History) کا سرعہ ہو یا سیموئل ہنٹنگٹن<sup>۱۲</sup> (Samuel Huntington) کا تہذیبی تصادم (Clash of Civilizations) کا نظریہ دونوں فی ماضی مغربی قدار کی برتری کا اعلان کرتے ہیں اور مغرب جس مائی بجنڈے پر عمل پیرا ہے اسکی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ دونوں نظریات کی تان اس ادعا پر ٹوٹتی ہے کہ فتح بہر حال مغربی تہذیب کا مقتدر ہے۔

قبائل کی تباہی اور فکر و فلسفہ سے یہ بات واضح ہے کہ وہ تہذیبی تصادم کی جگہ تہذیبی تعاون و ہم آہنگی کے نتیجہ بنتے۔ بے شک وہ مغربی مادیت کے بہت بڑے ناقذ تھے، اور اس میں وہ اکیلے نہیں تھے، میری نظر میں بیسویں صدی کے چار عظیم ترین تخلیقی فنکار مغربی مادیت کی تشدید و تردید میں باہم ہموا تھے۔ ان میں دو، یس اور ایلٹ مغرب سے تھے، اور دو، ٹیگور و راقبل مشرق (یہ صغیر) سے۔ اقبال اپنے ان عظیم ہم مسروں میں سے صرف ٹیگور کے علمی اور ادبی کام سے واقف تھے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے انھوں نے یس اور ایلٹ کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود اُن کے اور یس اور ایلٹ کے خیالات میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔

یس ٹس کا پورا کارنامہ حیات روح سے دوری کے خلاف بغاوت اور روحانی بالیدگی کے راستوں کی تلاش پر مشتمل ہے۔ اُن کے گونا گوں روحانی تجربات کے سسے میں ان پر یک ایسا بھی دور گزرا



میں نے قہر کا پس منظر دیکھا ہے۔  
بلیک وائٹ میں۔ قہر کی تصویریں مدنی ہیں

بلیک وائٹ میں۔ قہر کی تصویریں مدنی ہیں۔  
میں نے قہر کی تصویریں مدنی ہیں۔  
میں نے قہر کی تصویریں مدنی ہیں۔  
میں نے قہر کی تصویریں مدنی ہیں۔

I have always considered myself a voice of what I  
believe to be a greater renaissance - the revolt of  
the soul against the intellect - now beginning in  
the world

اقبال کی شاعری، دہلی کا قہر و فلسفہ، ایک اعتبار سے، قہر کی شاعری ہے۔  
میں نے قہر کی تصویریں مدنی ہیں۔

سپاہ تازہ بر انگیزم از ولایت عشق  
کہ درحرم خطرے از بغاوت خرو است

یہ شاعر کی زندگی کے آخری پیام ہے۔ کچھ ایسے نوجوان جو کہ خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں خدمت  
میں حاضر ہوئے، دوران سے کہا کہ وہ ایک، دہلی جریدہ جاری کرنا چاہتے ہیں اور یہ شاعر اس کے نام  
اور ماٹو کے لئے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شاعر نے اس کے نام تجویز کیا To Morrow - قہر کے  
قرودا اور ماٹو تجویز کیا Immortality of the soul یعنی روح انسانی کی ابدیت۔ یہی  
موضوع ہے انکی بیشتر منظومات کی خراج اٹکے شاعر 'Sailing to Byzantium' کا۔ یہ نظم ایک  
دلہن کا نام ہے مصرعہ شاعر کی زندگی سے دور کی کا۔ یہ شاعر کو دکھ ہے کہ ان کا عہد بچان اٹکے موسیقی  
(sensual music) کا دلہن ہے اور روح سے بے گھر ہے۔ یہی حقیقت کا وارک ہے جو اقبال  
کے یہیں رقص تن اور رقص جاں کے تناظر کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔

رقص تن در گردش آرد خاک را  
رقص جاں برہم زند انداک را

کتابت فی ۱۲ محرم ۱۲۸۵

یہ مانیہ، مہ ساساں میں رہا۔ چھوٹی کشتی پر قس پڑتے۔ کوسوں میں ہوتے۔ مانتا ہے کہ یہ مٹی اس اوروہ میں شعر کہہ رہا ہے:

چھوڑ یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و پیچ  
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیمِ الٰہی  
سلہ اُس رقص کا ہے تشنگیِ کام و دین  
سلہ اِس رقص کا درویشی و غنمتیں

ماہیت۔ مذہبی۔ جس۔ پلیٹ کا ہوا ہے ممتاز و کٹورین پیشہ و کار اہل کی طرح طے و قرین میں ڈوبا ہوا ہے۔ اپنے اور یکتائی کی تصنیف (The Idea of a Christian Society) کے اختتامیہ میں لکھتے ہیں:

Was our society, which had always been so assured of its superiority and rectitude so confident of its unexamined premises, assembled round anything more permanent than a congeries of banks insurance companies and industries and had it any beliefs more essential than a belief in compound interest and the maintenance of dividends.

اپنی شہزادی کی 'ختم' خربہ (The Waste Land) میں انہوں نے، مذہب، مادیت اور مشینیت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا، اور 'چار سارے' (Four Quartets) میں دور حاضر کے روحانیت سے تہی دامن انسانوں کی ان الفاظ میں تصویر کشی کی ہے:

Tumid apathy with no concentration

انگروں نے اقبال کے چند پہلو۔ عصر حاضر کے حوالے سے

پروفیسرنا! مہربان! مہربان!

fallen and crumpled paper whirled by the cold wind

T. 1: blowing before and after time 18

یہی ہے کہ اس قسم کی تحریروں کا موقیہ نہ ہوتا ہے وہ انہیں کے بہت سے احمق بے اختیار

یورپ میں بہت رونی علم و تخریب  
 رخنہائی تعمیر میں رونق میں صنہ میں  
 نکلہ ہر میں تجارت ہے حقیقت میں جو ہے  
 ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت  
 چہروں یہ جو نمرجی فشر آتی سے سر شام

ہنگو رٹ کے سلسلے کی عمر میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں دو خطبے (Hubbert Lectures) کرتے ہوئے ان کا نام انھوں نے رکھا تھا "مذہب انسان" (The Religion of Man)۔ ان خطبات کا سبب یہ تھا کہ وہ آئی اور مشینائی تہذیب سے ہمیں اپنے آپ سے جو تعلق ہے اس کی انسانی بنیاد پر غور کرنا چاہتے تھے۔  
 لکھا ہے۔ یہی اگلے عظیم سیکڑے (Civilization and Progress) کے آئینہ تصویر (Civilization in Civilization) ہے۔ ہندوستان کو انھوں نے "گٹاؤ پاتھ" (Gita Path)

## Keep watch India

Let your crown be of humility your freedom

The freedom of the soul. 20

اس طرح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قبروں کے بزرگ و اہم حضرات جیسے مائیں کے لئے ایسی مسکنات ناممکن ہیں جتنے کہ اقبور ہیں۔ ہاں ہمہ اقبال جہت ہی تمراؤ کے نہیں تھیں وہاں ہر انسانی کے لئے ایسی مسکنات ہیں جو آج کی بحران زدہ دنیا کے لئے نجات کا راستہ تصور کرتے ہیں:

غربیاں را زیر کی ساز حیات شرقیاں را عاشق راز کائنات

۱۰ اقبالؒ کے یہ شعر مشرق سے آئے ہیں۔  
پانچ سو سال پہلے قبالؒ - اسیویں صدی میں

کی از عشق رود حق شمس کار عشق ز ریر کی محکم بساں  
عشق چہ با زری کی ہم پر شود نقش بند عالم دیگر شود  
خیر و شر عالم دیر ہے عشق را با زری کی آمیز دہ<sup>۲۱</sup>

مشرق اور مغرب دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ مشرق کی حیات بخش روحانی اقدار سے  
مغربیوں کو بے پناہ آئی قوت بتائی جا رہی ہے۔ راستہ اختیار کر سکتی ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ کر رہی ہے اور مغرب  
کی غیر اعتدالی سائنسی طاقت کے بغیر تخیل فطرت اور مکمل ارتقاء انسانی کا مشن ادا ہو رہا ہے گا۔ دونوں ایک  
دوسرے کے ساتھ ہاتھ مل میں توانا میت کے لئے سعادت کی نئی صبح طلوع ہو سکتی ہے۔ اقبالؒ نے مغرب  
کھیمہ کی اہم نظم 'شعاع مید میں' اس وحزن کی ماری دنیا کو بھی پیغام دیا ہے:-

مشرق سے ہو پزارتہ مغرب سے حذر کر

فطرت کا اتارہ ہے کہ ہر شب و بھر کر<sup>۲۲</sup>

نہاں قرآن کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ ہیروئنوں کی طرف سے کیا گیا ہے۔

### حواشی و حوالہ جات

۱۔ یہ سب عرانی کاتب و مصنف تھے۔ یہ آزاد و خود مختار عربی معرکے پر تفسیر و ترمیم کے ذریعے سے نقل کیا گیا ہے۔ دیوان عربی میں پورا شعر یوں ہے:

از ازل حسن و محبت بہم اندوخته اند

دو چراغ اند کہ از یکدگر فروخته اند

۲۔ 'یام مشرق' بحوالہ حیات اقبال فارسی (ماہور شیخ عالم علی اینڈ سنز، ۱۹۷۲ء) ص ۲۷۷۔

۳۔ اسرار خودی، بحوالہ 'کلیات' ص ۶۷۔

۴۔ 'بال جبریل' بحوالہ 'کلیات اقبال' اردو (سیکڑہ ایجوکیشنل بک پبلس، ۱۹۷۵ء) ص ۳۵۶۔

۵۔ ایضاً ص ۳۹۴۔

۶۔ 'ضرب کلیم' بحوالہ 'کلیات' ص ۲۷۷۔

۷۔ قرآن۔ سورہ ابراہیم۔ آیات ۲۳-۲۵۔

۸۔ 'بال جبریل' بحوالہ 'کلیات اقبال' ص ۳۵۵۔

۹۔ 'جاوید نامہ' بحوالہ 'کلیات اقبال' ص ۷۹۵۔

۱۰۔ 'ارمغان حجاز' (اردو) بحوالہ 'کلیات' ص ۶۵۸۔

۱۱۔ Fukuyama F 'End of History and the Last Man' (London

Hamish Hamilton, 1992).

۱۲۔ Huntington S 'The Clash of Civilizations' Foreign Affairs,

72 (3), July- August 1993 PP 22-49

فیوین ماورینٹسٹن، دونوں حضرات کی تحریروں کی نمایاں ترین خصوصیت ہے انکی سنگتیت

۱۳۔ Quoted by Richard Elmann in Yeats 'The Man and the

نہیں کہیں۔ یہ دیکھ کر مصنف نے کہا۔ یہ ایسے ہی مرد ہیں جنہیں کتابیں اور سیریں مدد ملی ہیں

Wells ( London Macmillan 1949) P 98

۱۳۔ غلیات۔ ص ۸

۱۵۔ غلیات۔ ص ۱۱

۱۶۔ غلیات۔ ص ۵۹۶

Quoted by Bernard Bergonz in *T S Eliot* ( New York

Macmillan 1972), 1 P 132

۱۸۔ (London Faber 1944) P 17

۱۹۔ غلیات ۳۹۹-۴۰۰

Quoted by Sisir Kumar Ghose in *Rabindranath Tagore* ( New

De hi San.tya Akademi, 1986 P 49

۲۱۔ چار دیو نامہ بحوالہ غلیات۔ ۶۵۳

۲۲۔ غلیات۔ ص ۵۷۱



فکر و فن اقبال کے چند پہلو۔ عصر حاضر کے حوالے سے۔

## پس جدیدیت: چند غور و مطالب سوالات

پروفیسر غلام رسول ملک

مذاہب جدید کا مفہوم مثالی و فنی ہے نہ کہ حقیقی یا تاریخی

کے دوست و اربابِ اطلاع مغربی تمدن کے حوالے سے "مذہب" کے معنی اور اس کے استعمال کی نوعیت

پس کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ یہاں غور کرنی چاہیے کہ اس کے معنی اور یہ خصوصیات

(irrationalism)۔

پس جدیدیت کی نوعیت کے حوالے سے یہاں میں جدیدیت کی نوعیت کے لیے جدیدیت کے

مفہوم میں سرحد قائم کی۔ یہاں (existentia lism) کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

(essence, ) کے معنی اور (absurd sm) کے معنی اور (ethica lism) کے معنی اور

(relativism) کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے

معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے معنی اور اس کے



فرضی قوت کے ساتھ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ ایسا ہی تصور ہے جس کی مدد سے ہم دنیا کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔  
یہ رائے اس کے وقت سے شروع ہوئی ہے اور اس کی اپنی قیادت میں سمجھنے کے وقت سے ان کی تائید ہے۔  
اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان خیالوں کے لئے اس پر (myths) کو ان کے ریڈ کے ساتھ ہے۔  
اس کے ایک - نام ہے "فرضی وجود اور صورت" جس کا معنی "فرضی" کی "حقیقت" کی ایک ہی ہے۔  
ان کی اپنی خیالوں میں سمجھنے کی اپنی "حقیقت" اور اپنی قیادت کے ایک ہی ہے۔  
کے آئینہ دار یا جو دوسروں کے لئے، جو سمجھنے کے لئے، ان میں سے ہر ایک کا نتیجہ تھا کہ ان کی  
بہم اپنا سب سے نہیں تھا۔  
ایک بہم سا حساس ہوتی تھا کہ یہی حد - تنبیہ میں یقین کی ایک ایسی کھوئی کہیں موجود ہے کہ اس کا  
سہارا ہو جاتا ہے۔  
پرت بھی موجود ہے لیکن اس حقیقت کے سبب اس حقیقت (factuality)  
فرضی (irony) اور حقیقت اور حقیقت (contingency) کے حق میں - حقیقت، حقیقت اور حقیقت  
کے خلاف ایک ہمہ جہت جنگ چھیڑی ہے۔  
مختصر اب اس لئے ہے کہ سب سے یقین کیا جاتا ہے کہ دنیا کے بارے میں ہم کو دنیا کے اندر موجود ہونے کی  
حقیقت سے اس طرح جدا کر کے نہیں دیکھا جاسکتا کہ گویا ہم اس سے دیکھ رہے ہیں،  
دقیق (standpoint) سے دیکھ رہے ہیں جو معروضی، آفاقی اور تمام بات ہے۔  
اس کا ہمیں سامنا ہے، (implications) اس صورت حال میں قدر و قیمت کا تعین ناممکن اور ہم  
کا یقینی ہونا مشکوک ہے۔

مستم نسرانی یہ ہے کہ، حس اس اجنبیت (alienation) اور باطنیت کے جس قرب سے جدیدیت دوچار تھی، پس جدیدیت کے الجھناؤ اسے نسریت سے اس میں کوئی تخیف نہیں ہوتی ہے۔ جدیدیت سے وابستہ تخلیقی فنکار، عامیت اور بیت، مساحت کی پیچیدگی اور ڈھانچوں کے ذریعے اس کو بہت صورت حال سے یکجہت پن پیدا کرتے ہیں اور سطح سے یہ ایک خاصہ رکتے تھے۔ پس جدیدیت سے وابستہ ادیب سطح سے نیچے دیکھتا ہے اور سطحیت پر فوقی قانع ہے۔ ادیب نثر نے، حقیقی اور انہالی پن کے ساتھ باطنیت اور غوریت سے کھیل جاتے کی طرح اپنے اندر رہا

ان کی فکر سے چند پچاس برس پہلے کے حوالے سے پروفیسر نام رسول ملک ایس جی دیریت چند غور طلب سوالات  
 تھے۔ کئی اور مہم پر تو جیسے بات میں کے ذریعے ایک مشابہت اور فیہ معنی میں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ  
 تھے اور ترقی کے لئے (pluralistic point of view) کے یہ نچاں باقی نہیں رہتی۔ نیز  
 جس کے فریڈرک ٹیرن کے کہہ چکے ہیں۔ آج کے دور میں (Cultural logic of the late capitalism)  
 the late capitalism کے مختلف اطراف و احوال میں اپنے پر پھیلے۔ میں جن میں سے ایک اہم  
 بنیادی بات و حقائق کی وہ ماکہ خیر تو سچ ہے جس نے ایک سو فی صد کی ریلے کی طرح اس ثبات و قرار کی  
 بیاہوں و مدد کر رہے ہیں۔ وہ چند مضمومات و مشروعات پر قائم تھے۔ پادری اور ان کے نئی کتاب  
 (Nouveau) (۱۹۸۳) میں بجا حرج ہے کہ اور جن میں ذریعہ ثبات جس نے کے ساتھ دین  
 یہ مسلمانوں میں اس سے حقیقت اب کے ہوتی ہے اس لیے کہ حقیقت اور انسان کے اس طرح سے باہم مدغم  
 ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ حقیقت خرافات میں کھینی ہے۔ ہم ایک ایسے  
 مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں جو برتر از حقیقت (hyper-real) ہے اور جہاں ہم یا روئے چار ذرائع  
 بلاغ کے رحم و کرم پر ہیں جو حقیقت کو جس طرح چاہیں بدل سکتے ہیں۔ حقیقت کو سن کر کے اس عمل  
 میں یا پھر اس کے لیے حقیقت کو اپنے من و مات کے مطابق ڈھالنے کے اس عمل میں مغربی ذریعہ بلاغ اس  
 چابک دہی سے اپنا کام کر رہے ہیں کہ ان کی تراشیدہ تعبیریں، بالخصوص ان ملک کے بارے میں ان کی  
 تعبیریں تین حقیقت تسلیم کی جاتی ہیں جن میں ملک کو تیسری دنیا کہا جاتا ہے، حالانکہ یہ تعبیریں عام طور پر  
 حقیقت کے برعکس ہوتی ہیں۔ فی حال عراق اور افغانستان، اس تعبیر کو زیادہ ہیں اس کے بعد ملتا ہے کہ  
 ایران کی باری آئے کی اور پھر۔

جدیدیت سے پس جدیدیت کی طرف منتقلی (transition) کی متاثر ترین خصوصیت یہ  
 ہے کہ پس جدید دور میں اس بنیادی مضمومات پر یقین یا تو جھٹل ہو گیا ہے یا بالکل ختم ہو کے رہ گیا ہے جن  
 کے سہارے جدیدیت کی عمارت قائم کی لیکن ان کی جگہ پٹنے کے لیے دلی نئی مضمومات نہیں آئی ہیں۔ ایسا  
 ملتا ہے کہ پس جدید دنیا ایک حیرت سے سب پایا ہے کہ جس میں نہ کوئی سٹب میل ہے نہ جادو، نہ منرل، نہ  
 کسی کو منزل کے سرخ کی فکر۔ میں نے یہ آپ کو اس صحر کی پہنائیوں میں حیران و سرشتہ پاتاؤں اور سراپا  
 سوال ہیں۔ آپ میرے اندر نصیر کی طور پر ابھرنے والے ان سوالات میں آپ بھی تحریک ہو جائیں گے۔



نہی قابل ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ اس کے ذریعہ ہم دوسری زبان سے چھوڑ کر صرف سوالات

پیدا کرتے ہیں۔ یہ کہ متون (Texts) کے اندر نہیں رہتے ہیں یا رہتے ہیں، صرف وہی متون  
 میں زندہ رہتے ہیں۔ ہمیں ہم سے پار سے کہتے ہیں۔ اگر مصنف کسی کتاب یا  
 نسخے (scriptor) کی حیثیت رکھتا ہے (مثلاً آف برائوٹی، کتاب تراک دریدا) تو اسے بحیثیت  
 ایک (medium) کے طور پر استعمال کرتا ہے، جواب دہ زبان۔ یہ اس کا منصب یہ ہے کہ مصنف  
 ایک بے اختیار وسیلہ ہے، محض ایک بچہ جمورا؟

اور ہاں، اگر یہ چیز متون کا درجہ رکھتی ہے تو وہ تحقیقی رہ کانشن تیار کیا ہے؟  
 قریف و قیمن (definition) کا مطلب ہوتا ہے چیزوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا، مناسب خطوط  
 قرار دینا، سرچشمہ ماقابل تعمیر مسدود سے مل نہ ہوں۔ قریف و قیمن کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تیار کے  
 تمام خطوط کو کیے جائیں۔ آخر میں کیا پڑی ہے کہ بیٹھے بٹھائے چینی کے برتنوں کی دکان میں بے لگام بل کو  
 دھمنا کا پھرتا چھوڑ دیں۔

گرفتاری خود مصنف ہے، اس معنی میں کہ جو متن وہ پڑھتا ہے اسے وہ خود خلق کرتا ہے تو چونکہ  
 آپ کے خیال میں مصنف معدوم ہو چکا ہے تو اس ایک مصنف کو زندہ رکھنے پر آپ بھد کیوں ہیں؟ واضح  
 رہے کہ میں انہدام یا تشکیل سے کام نہیں لے رہا ہوں بلکہ مفلانہ بچگانہ نہیں، معصومانہ استعجب  
 اور استفسار سے کام لے رہا ہوں۔ اُس بچے کا، استعجاب و استفسار جس نے کہا تھا کہ راجا بٹکا ہے۔  
 قاری کا خود مصنف ہونا کس طرح اس نظریہ تفسیر سے مختلف ہے جس کو ہم قاری کا رد عمل (reader  
 response theory) قاری اساس تفسیر کے نام سے جانتے ہیں سوائے اس کے کہ پس جدید  
 طریق نقد، متواتر سے مبرا ہے۔

اگر پس ساختی تفسیری بصیرتوں کو تراک، کان کی نسیانی بصیرتوں کے ساتھ ملا کر دیکھیں  
 اور دونوں کا باہم گہرا تعلق ہے تو ہر قاری کسی متن (Text) کا مطالعہ کرتے ہوئے خود اپنے نامعلوم امراض  
 کی شبیہ دریافت کرتا ہے تو یا متن ایک ایسا آئینہ ہے جس میں قاری کو خود اپنے کس نظر آتا ہے۔ کیا اس کا  
 منصب یہ ہے کہ پڑھنا دراصل ایک نرگسی لیل (Narcissistic activity) ہے یا پھر چیز اسٹریچی  
 کے لحاظ میں آنکھوں کے راستے سے مذاکے منلو بہ حاصل کرنے کا عمل۔





میں تو یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام رتسمات زبان میں مشترکہ طور پر مستعمل

مستعمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے اس میں یہ تمام رتسمات زبان میں مشترکہ طور پر مستعمل  
 ہوتے ہیں۔ اس کے لیے یہ سبب ہیں تو آپ کے سر یہ رتسمات یہ ہو سکتی ہیں کہ  
 بولی مستعمل نہ ہو۔ وینٹ مینوں میں مستعمل کر رہا ہو۔ یوں کے ساتھ فیسوس ہوں۔ اور آپ اس سے یہ حق  
 نہیں ہیں تو اس کے ساتھ یہ رتسمات (trace formation) کے ساتھ اس سے بہتر ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

دراں یہ بات نہ بھی رحمت ٹوڑا کریں کہ مرکز بہ نسبت (logocentric) اور مرکز بہ  
 آخری (graphocentric) میں سوا دوسرا فرق ہے جب تک کہ مرکز کا وجود مسلم ہے۔ آپ تو مرکز  
 سے دوروں کے مشور میں اور اس مقامات میں ماب تو یہ مشور ہیں تو اس لیے سے پس یہ یہ نکال م تو یہ کو کیونکر  
 مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے؟

ہیں جدیدیت کے بے نشان صحر میں کبھی کبھی یساٹن ہوتا ہے کہ ہم کسی پہل خانے میں پہنچ  
 گئے ہیں جہاں بے شمار پانگوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ جیسے چاہیں، حکمت و دانائی کے خزانوں پر قہقہے ہو  
 جائیں۔ ایک طرف اس سے یہ کہ افسانوی ادب کے مصنف کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسی  
 طرح موت سے ہمنما ہوا ہے جیسے کہ نپٹے کی کائنات کا خدا۔ دوسری طرف تاریخ پر لکھی گئی کتابوں کے  
 مصنفین کو زندہ یہاں جاتا ہے اس سے کہ تاریخ کو تخیل کی کارفرمائی اور انسانی ادب کی ایک صنف کی طرح  
 دیکھا جاتا ہے۔ حاصل = صفر

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا پس جدید تنقید کی نظریہ ہمیں کوئی ایسا معیار نقد فراہم نہیں کرتا جس  
 سے تحقیقی ادب کی تعین قدر کی جائے۔ ہر شے ایک متن (text) ہے اور ہر پڑھنے والے بیک وقت مصنف،  
 مفسر، شارح اور آواز دکھاڑی ہے۔ لہذا اور یہ وہ تحریر کی بھی وہی حیثیت اور قیمت ہے جو انتہائی پر مغز، بامعنی  
 اور مٹی والی تہہ پارے کی ہے۔ ہر تھک کا قاری نہ متن (readerly text) اور مصنفانہ متن (writerly text)  
 (text) میں امتیاز کرنا ایک سچی بعد از وقت اور تلافی مافات کے فیصل کی کوشش ہے مگر یہ اس قدر مبہم اور خود  
 سرانہ (arbitrary) ہے کہ اس سے ہمیں درمیت مشکل حاصل آجوتے نے میں کوئی مدد نہیں ملتی جب تک کہ  
 ہم اسے اس مشتبہ پر محو نہ کریں کہ ہر تھک ب اپنے ہی وضع کردہ اس قیاس پر تھک تھک پھیلا رہا ہے جو اس



نہ تو اسے بددعا ہو۔ اس کا کہنا ہے کہ ہر فیصلہ ہمیں اس کے لیے بددیت چاہئے۔

everything exists nothing has value, if one had spoken violence in the place, or quoted lofty poetry the comment would have been the same.<sup>7</sup>

حقیقت یہ ہے کہ بس جدیدیت کے نئے ادب کی قدر و قیمت کے سکے کے لیے کوئی نیا ہی نہیں نکلتی۔ نہ شرق و مغرب کا پورا ذخیرہ نہ ہمیشہ سی ہم سوال میں بھج رہا ہے۔ جب سے ارسطو نے اپنے تئیں تھیر (catharsis) کے ذریعے فداطوں کے تخلیقی ادب پر اعتراضات کا جواب دیا یہ مسئلہ ہرگز۔ ناقد ادب کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ خود افراطوں ادب کی تاثیر، طاقت اور قدر و قیمت کا قائل تھا ارجح اس کے نزدیک ادب بحیثیت مجموعی غمی اور اخلاقی مسئلہ بائے نظر سے مستتر دوسرا ہے نہ کہ شے بکشی۔ پس جدیدیت نہ یہ ہے کہ ادب خود اپنا جو ہے، اس سے یہ پئے وجود و قیام کے لیے پناہ سے باہر کسی نام توجہ (metanarrative) پہنچ نہیں۔ ایسے کسی بااثر نظام توجہ کا جس جدیدیت نہ اس سے ہر کتب کوئی وجود ہے ہی نہیں۔ ادب کا ادب سے الگ کوئی مقصد و مدد نہیں، اس کا مقصد صرف اس کا وجود ہے۔ بچنے کی وہ چیز ہے جو میرے اندر، مزاج مشرق کے حامل انسان کے اندر، زبردست حساس کرست پیدا کرتی ہے۔ میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ تمام حسب و نسب سے مبرا، مادر پدر آزاد کسی تے کے ساتھ مصالحت کر سکوں۔ میرا تو یقین ہے کہ ہم میں سے ہر کسی کو پورے شعور کے ساتھ یہ انتخاب کرنا ہے اس لیے کہ یہ کوئی تنہا بیع کے نوع کا کوئی اکیڈمک معاملہ نہیں بلکہ اس کا ہماری زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ بس سختیاں کو گلے لگانے سے پہلے ہے۔ بلس۔ مرنے سے پہلے کی بات کہی تھی:

A critic must choose either the tradition of presence or the tradition of deference, for their assumptions about language, about literature, about history and about the mind both cannot be made compatible<sup>8</sup>

فرد فنی قبول سے چند ہزار سال کے بعد یہ فرد مائیکرو سکیپ سے چھوٹا ہو گا۔

ایک ماقد لاپ کے بارے میں ۱۰۰ دور واقعات میں سے کسی ایک کا تذکرہ ہے۔

معمول وجہ یہ ہے کہ انسان کسی ایک کہانی کو بے قیاس و حد تک اس کی بارگاہ میں

۱۰۰ سال سے مروجہات و مشاہدات میں تبدیلی کا اثر دیکھتا ہے۔

اس بارے میں سترہ سو سالہ معانی اور مشاہدات کے ساتھ کتاب کے ساتھ ساتھ اس

اور عدم انتشار کے درمیان ہے:

To refuse to fix meaning is, in the end, to refuse God and his

9

hypostases--- reason, science, Law.

معنی کی موجودی اور معنی کی تلاش سے کنارہ کشی خدا و زمین ہوا کی ہے۔ یہ ہے زمین و آسمان کا

قائم ہے یعنی عقل، سائنس اور قانون:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

ہمارے یہاں کسی جدید طرز زندگی کے لئے یہ تو مغوشے کا شکار ہیں یہ بڑے مغرب کے

نام نہاد سیکولر ڈیومنٹ فکر سے اس طرح وابستہ ہو چکے ہیں کہ یہ جہاں بھی جاتے، دعائے تاجدار کی

ساتھ ادھر ہی کارٹ کرتے ہیں۔ کئی گونا گویا فرتز کرتے کرتے خود اپنے آپ کو مسٹر ڈیوٹی بنے تو یہ اس

استرداد کو بھی بسر و چشم قبول کریں گے۔

معانی و رسوم معانی سے قطع نظر، کسی نام تو یہ ہے کہ وجود و عدم وجود سے قطع نظر جس جدید سرور

نقذ میں خود فنی بارہ کی پہچان (casualty) بن جاتا ہے چاہے یہ فنی پارہ کوئی خود اور، یعنی

متن (text) کی کیوں نہ ہو۔ ہر طرز زندگی اپنی قوت اور کمزوری ہوتی ہے اور ہر سرور خدا اس وقت تک جائز

اور قابل قدر ہے جب تک کہ یہ ہمیں فنی پارہ کے قریب لے جائے، اس کے مرقع میں ہماری مدد

کرتے ہو اس سے ہمیں جذبہ و حساس کی پیدا رکھتی اور زندگی کے لیے فیضان حاصل کرنے کے قابل

نات۔ کسی جدید تشدد کا حصہ تو یہ ہے کہ ان کا آغاز ہی فنی پارہ سے گریز سے ہوتا ہے۔ وہ تو فنی

پارہ کو لسنی باز نیکی کی ایک بے انتہا دنیا میں پیدا کر کے ہے (springboard) کی

دلِ تہاں کے بندہ، دوسری طرف کے جواب ہے۔ "پس یہ مردوں میں سے کون ہے؟" یہ دیرت چاند اور چھب سو رات

یقینیت سے استہساں کرتی ہے اور یہ بھی ہر شے کی بنا مقصد آج ہے۔ کسی مقصد کا ذریعہ نہیں چاہتے وہ مقصد نہیں پا۔ اس لیے اس کا یہ یا اس کی فہمیں قدرتی ہے اس نہ ہو۔

میر کی یہ بات ایک نئی تہذیب کی موبہ کے بنیہ، عمل اور تشنہ رہے گی، اس لیے میں اپنے "مرد و خواتین" سے شروع کرتا ہوں۔ پی اور آپ کی ایک نہایت ہی پسندیدہ "نہ دو دو طرح سے دیکھنے کی کوشش کروں گا۔" پہلے اس غرض سے کہ ہم آج کے دور کی سے سولہ ہوتے ہیں اور اس سے ایک ہی زندگی کا فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اور ہمیں یہ بدیدہ نظر آتا ہے کہ وہ لہو کے زاویے سے، اس اعتماد کے ساتھ کہ میں نہ تو اس میدان کا مرد ہوں اور نہ ہونا چاہتا ہوں۔ یہ میدان اپنے ہی مردوں کا رو مبارک ہوں۔ میں نے اس غرض کے لیے اس شعر کا انتخاب کیا ہے، وہ ہے "فینس کی مختصر مگر عظیم نظم" "یاد"۔

دشتِ تنہائی میں اے جانِ جہاں لڑاں ہیں  
تیری آواز کے سائے ترے ہونٹوں کے سراب  
دشت، تنہائی میں دوری کے خس و خاک تلے  
کس سے ہے ترے پہلو کے سمن اور گلاب  
اٹھ رہی ہے کہیں قربت سے تری سانس کی آنچ  
اپنی خوشبو میں سلگتی ہوئی مدہم، مدہم  
دور افق پار چمکتی ہوئی قطرہ، قطرہ  
گر رہی ہے تری دلدار نظر کی شہنم  
اس قدر پیار سے اے جانِ جہاں رکھا ہے  
دل کے رخسار پہ اس وقت تری یاد نے ہات  
یوں گماں ہوتا ہے، گرچہ ہے ابھی صبحِ فراق  
بہل گیا ہجر کا دن ابھی گئی وصل کی رات

فینس کی یہ نظم جدائی کے کرب اور محبوب کی حسرتوں کے ایسے سے کرب سے نجات کا دکھن تخلیقاتی  
فہم ہے۔ چونکہ یہ محبوبیت وسیلہ نجات ہے اس لیے اس کا مرکزی نقطہ ہے اس لیے بجا طور پر اس کے



و رانی میں سے ہر ایک مرد سے ہر ایک عورت سے ہر ایک لڑکے سے ہر ایک لڑکی سے

سیا یا کالوں سے یہ پائے مدنی است نہ تو اس نے آریوں کے ساتھ ہونے کے  
محبوب کی آواز سے نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ ہے۔ جیتا ہوا شہر ہے تو کیا آپ کے ہاتھوں میں  
سب کی سب بھلائی ہے اور رانی کے ہاتھوں میں ہر ایک کی ہر ایک بھلائی ہے۔ کیا ہر ایک  
اگر اس وقت تک کا ہمارے تو اس کے ہاتھوں میں محبوب نے چھوٹی دیا اس پر ظاہر ہے۔ وہ اس کے  
بیمار اپنے ہی نفس و مال کے لئے نمودار ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ہر ایک کی ہر ایک

کہ آپ چشمہ حیاں دروین تاریکی مست

شاعر و محبوب نے اپنے تئیں اس کے ہاتھوں کی ہر ایک محسوس کی ہے۔ یہ اس کے  
خوشیوں کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہے۔  
و رانی کے اس پر محبوب کی نظروں سے نکلتی ہوئی بات و قصہ و داستان ہے۔ یہ اس کے ہاتھوں میں

اس قدر پیار سے اسے جان جہاں رکھا ہے

دل کے رخسار پہ اس وقت تری یاد نے ہات

یوں گماں ہوتا ہے گرچہ ہے ابھی صبح فراق

ڈھل گیا ہجر کا دل آ بھی گئی وصل کی رات

یوں یاد و تجربہ وصل میں بہر روز آتی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی ہر ایک محسوس کی ہے۔ یہ اس کے

صور پر لکھے تو اس کی وصل قدر قیمت جی ہے کہ یہ ہمیں زندگی دیا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی ہر ایک

نوازا کرنا سکھاتی ہے۔ زندگی کو اس کے ہاتھوں کی ہر ایک محسوس کی ہے۔ یہ اس کے ہاتھوں کی ہر ایک

اس نظم سے حاصل ہوتا ہے، اس کے ہاتھوں کی ہر ایک محسوس کی ہے۔ یہ اس کے ہاتھوں کی ہر ایک

یا غزال چشماں ، ذکر سمن غداراں

جب چاہا کر لیا ہے، گنج قفس بہاراں<sup>۱۱</sup>

اب: یہ تینے کے ہیں چہرے اس نظم پر اس کے ہاتھوں کی ہر ایک محسوس کی ہے۔ یہ اس کے

نہیں انہیں سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی جدیدیت چند نیا رنگوں سے

نیشن کی نظم یا ذرا اصل یہ مکتب نیست ہے۔ کسی کی یا خودی حیثیت سے بھی اور سماجی  
 حیثیت سے بھی ایک نمونہ ہے۔ اس کا کلیہ کی نسبت سے کہانی 'نفس' سے بہت دور آہوت کے لیے شاعر  
 'نفس' کی تہمتیں ہے۔ اس کے مابین 'بہا' اور 'نفس' کے بھی نہیں رہے دیتے ہیں۔ ہونٹوں کے  
 سب کی زنجیر یہ تصور کی صورت پر نہ مکتب نیست کی غمازی کرتی ہے۔ سراب آخر سراب ہے، اس  
 سے جہاں یہ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کے شعرا اور اس کے بعد کے اشعار میں 'نفس' و 'خاک' ہی حقیقت ہے  
 باقی سب کچھ، سانس کی آواز، نظریں، شبنم، سراب کے قبیل کی چیزیں ہیں۔ 'گرچہ' ہے ابھی صبح  
 فراق حقیقت حال کی صحیح تعبیر ہے۔ 'گرچہ' نہیں بھائی کے لیے، ستمناں کیا گیا ہے۔ اصل حقیقت فراق کا  
 تھوڑا سا دور زندگی کی دل شکن آزمائشیں۔ اس لیے نظم کی بے زبانی نہیں 'قنوطی' ہے جسے آپ چاہیں تو  
 حقیقت پسندانہ (realistic) بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ نمونے کی خاطر نظم کا بس ایک قسم کا پس جدیدی منالہ ہے۔ آپ کئی در طرح سے بھی سے  
 تہہ شکن مطالعہ پس جدیدی بنا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ پوسٹ ماڈرن طرز مطالعہ کوئی متعین چیز تو ہے نہیں  
 کس کھینے کا نام ہے۔ یہ شخص بہ شخص بدلتا ہے، ایک ہی شخص کے ایک ہی فن پارے کے دو مطالعے مختلف  
 اور متضاد ہو سکتے ہیں۔ اس معنی میں نہیں کہ ہر نیا مطالعہ معنی کی کوئی نئی جہت سامنے آتا ہے (معنی کا سوال تو  
 اہمیت کی نہیں) بلکہ اس معنی میں کہ ہر نئے مطالعہ میں آپ معنی سے بھاگتے کانیا گرو ضلع کر لیتے ہیں۔ اس طرز  
 نقد کے برتنے میں صرف ایک شرط ٹھوڑی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ پوسٹ ماڈرن تسخرو استہزا کا دامن کہیں  
 ہاتھ سے نہ چھوٹے پائے۔ فنی مرحوم سے معذرت در تصرف کی اجازت کے ساتھ،

اک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

پوسٹ ماڈرن کیا ہے، خواب ہے دیوانے کا

س کے بعد سوائے خاموشی کے یہ باقی رہ جاتا ہے۔ ٹیکسٹویر کے الفاظ میں The rest is silence

اور اقبال کے الفاظ میں:

خوشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری<sup>۱۲</sup>

نہ اس بات کے جدید تصور ہے، بلکہ پرائیمری میں اس کا یہ رت پندہ خوب ہے۔

## حواشی و حوالہ جات

۱۔ پتھولوجس جدید ورمانی عبارات سے ایک کے روائے نہیں سے روائی حالت سے باطنی بدانکر، دست نہیں، نکالنا چہ امرتی بہ فن قیاس چہ رس جنس (Charles Jencks) کی طرح دعویٰ کرنا بھی سبب ہوگا کہ جس جدیدیت کا نازل اور جوانی سے آگاہی وقت کو تحریک سیات جس مسورنی میں پروٹ کیو تفسیری سیم واپ منسوب ہندو کے سے مسوریہ یا قیاس طیمہ تاریخی، اہت ایسک ہدائی طور پر رس نہیں ہوتے بلکہ ایک رتائی شکل کے نقشے میں امور مذہبی ہوتے ہیں۔ جس جنس کے سلسلے نظر کے متاب میں دوسری تھا ہے باب سن و ہم ہیٹ، مارکولی ڈی کے، اور آخری دور کے جیمز جوائس کے یہاں جس جدیدیت سرکی تلاش اور امبرا ٹوکا یہ دعویٰ کہ جس جدیدیت ایک کی طرہ تعبیر ہے جو ہر زمانے میں موجود ہوتی ہے۔

۲۔ مغربی تاریخ کی یہ تعبیر شاید س کے سہ قابل قبول نہ ہو کہ چا سکتا ہے کہ اس بدیہی حقیقت اس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ یونانی و رومی دور تاریخ اور، بعد شہ قانیہ مغرب میں مہد و سنی کا یہ سانی دوری کل ہے اس کا جواب خود مغربی تاریخ نے ہو اسے کو مہد و مسئلہ (dark ages) کہہ روزیات جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مہدنی اصل قدیم یونان و روم اور جدید مغرب کے سچ میں ایک غیر متعلق اور غیر ضروری وقفہ تھا۔

۳۔ ایک اور مل جو از سب سے زیادہ یہ ہے کہ جس جدیدیت شہ تو سنی فکری بغاوت ہے، رت فکری مغرب کے متاب میں کسی بنیادی انفساں (departure) کی شاندی۔ چہ نچہ نیما، لدین سرور کہتے ہیں جیسے کہ ہیرماس نے کہا ہے جدیدیت کا مقصد ہے سائنس، اخلاقیات، فن و ادب کو ن کی داخلی منطق کے مطابق پروان چڑھانا۔ جس جدیدیت نے اس بات پر زور دے کر کہ ہر فن خالص اور ہر تہذیب قائم بذات ہے، جدیدیت کو اپنے منہجی اختتام تک پہنچایا ہے۔ جس جدیدیت بخیر کلی و رہمہ گیر و جہی نہ میں کو در کرتی نظر آتی ہے چاہے بدستل اور سائنس، دہدہ ہب اور روائت ہو یا مارکس جیسے سریات

۱۔ ان قبوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلام کے حقیقی معنیوں میں جدیدیت اور تازگی ملے گی۔

۲۔ مورتی پرستوں کی جدیدیت صرف ایک ہی ہے، وہ تو دیہ کی ترقی میں ہے، وہ وہ ہے کہ شراب پیو، زنا کرے، اور اس کا ہر قسم کی پستی چاہیے، اور اسے شریعت و اخلاق سے بچنے کا مسوہ کی تلقین ملے گی۔

۳۔ اور شریعت کے حقیقی معنیوں کی طرف مورتی پرستوں کی توجہ دینا، جو ان کی اپنی توجہ نہیں دے سکتے، اس کی ذمہ داری ہے۔

۴۔ اس کے لیے کہ اس کی طرف مورتی پرستوں کی توجہ دینا، جو ان کی اپنی توجہ نہیں دے سکتے، اس کی ذمہ داری ہے۔

۵۔ ڈی۔ بی۔ ایس۔ کے *The Collected Poems of B. N. Datta*، لندن، سنڈیکس اینڈ کمپنی، ۱۹۳۳ء، ج ۲۱۰۔

۱۔ ائی۔ بی۔ ڈی۔ *A Passage to India*، لندن، سنڈیکس اینڈ کمپنی، ۱۹۳۶ء، ج ۱۴۵۔

۸۔ ڈیوئیٹ۔ بی۔ ایچ، *Deconstructive Criticism: An Advanced*

*Introduction*، لندن، ایچ۔ این۔ اینڈ کمپنی، ۱۹۸۳ء، ج ۴۹۔

۹۔ ایس۔

۱۰۔ فینل، جی۔ ڈی، دستِ صبا، سنٹرل بک ڈپازار، بازار، دہلی، ۱۹۵۳ء، ۱۰۷-۱۰۸۔

۱۱۔ ایس، ج ۱۰۹۔

۱۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ قبوں (اردو) بک کونسل، بک باؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۵ء۔





مردوں قبل سے چند پہلوئے عمر سے جدا ہے۔ گد و سب ٹیٹ "ساقی بہار" افسانہ نگار۔

نغمہ نگار کی بے درشت حرکات و سکنات کا یہ یہ تو مستعمل کاوش ہے کہ کچھ بھی نہ رہو  
شاداب معلوم ہوتا ہے۔

زمانے کے انداز بدلے گئے نیا راگ ہے ساز بدلے گئے  
ہوا میں طرچہ نش روزِ فک کہ حیرت میں تھیستہ بارِ فک  
پانی سیاست نر کی حوار سے زمین میرا سلسلہ سے ہے  
یگانہ بھر تھامی بسارت میں ایک تپا پڑتا ہے۔ پانی رہ روی میں تو وہ پکارتا ہے کہ یہ وہ سرمایہ داری یہ  
تماشہ دکھا کر مداری گیا۔ لیکن یہ کچھلی سدی کے نصف آخر کی خیر ہو تو دور۔ تیسویں سدی  
میں capitalism کا دیہ استبداد پھر جمہوری قبا میں یہ کب ہو گیا ہے۔ امریکہ یورپ، عرب  
ہندوستان پہلے چین تک میں اسکا بیاہ ہو رہا ہے اور ان ملکوں کے بڑے بڑے ممالک و تجارتی ملکوں  
جنوب امریکی کی جھٹکارتے یک کر مہم پیدا کر رہے ہیں۔ ملکوں میں کرب اور عرب و چین میں یہ ایک  
دوکانہ نہ ہو رہا ہے لیکن خلقِ خدا کی محرومی اور فاقہ مستی میں مڑ روں گن زیادتی ہو رہی ہے اور یہ سب  
تک مراب ایسی دختران کی Foet cide کے دھندے میں مشغول ہے۔ اور اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا۔ یہ  
چھوٹی بچی بڑی ہو کر اس کے پیش گھروں میں ٹٹے، رتی جھٹکے بھرتی و نسل نسائی کے بڑے  
خداوند بنتی ہے۔ "ساقی" نامہ پھر شاعر کے من میں مونسوں یعنی مسلمانوں کی زبوں حالی کا راک تھینتا ہے  
اور ایسے بے بدل اشعار کے ہیرے انبار کرتا ہے۔

مسمماں ہے توحید میں زربکوش گمروں انجی تک ہے زنگار پوٹ  
حقیقتِ خرافات میں کھوئی یہ امت روایات میں کھوئی  
بکھری عشق کی آگ اوجھرتی ہے مسمماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے  
مونسوں و مضمون کے آٹ پھیرتے علم کے تال سم اور اس کے اُجھار میں کوئی فرق نہیں آتا۔  
یہ نغمہ دراصل شاعر کے ذہن سے اٹھی اس سمندری Tide کی طرح لہراتی ہے جو بلند ہوتی ہے اور جات  
والی لڑکھوٹ کو تگواں کی طرح بہک جاتی ہے۔ اس میں بخش و مقامات اتنے زبردست ہیں کہ مسمماں اس کی  
زبوں سوں کی under current کے بدے خود حیاتِ انسانی کی جھک و تار کے رزمیہ میں بد جاتی







و اُن قتل کے پتہ چھوڑ کر صدمہ لے لے کر گئے۔ "سراقی ماسہ"۔ اقبال کا تخلیقی کردار۔

اسد گیل نشین دار ہے۔ شاعرانہ حسن طبع میں چھوٹی کرمانچوں سے متاثر ہو جاتا ہے اور قریبی دودھ بے شیر  
عام سرمیں یہ سکی بھی فی صحت مانت کر تریب بڈی میں پکارتا ہے۔

ریک سرموئے بدتر پدم

مردن آجانی بسوزد پر

"سراقی ماسہ" قبائل کی بہتر بین نظم بنی ہے اور اردو زبان کی فصاحت و بلاغت کا شاندار ثبوت بھی جس زبان  
میں "قن" و "ر" ز شہر کا یہ سہم و "اُس" کے امکانات بپناہ ہیں۔ میر تقی میر کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

لکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میر۔ ڈر سے ہزار چند ہے اُس کے سخن میں تاب

## فکر کی اجتہاد

پروفیسر عبدالغنی عابدی

میرے اس مشاہدے کا عنوان قبر و فکری اجتہاد متعین نہیں رہتا لیکن میں اپنے افکار و خیالات کے نام کے ساتھ حوزہ کراچی کے سامنے دہشتا پیش نہیں ہونا چاہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں امامہ قبر کے خیالات کو اتنی سوچتی تھی، وہ پختہ فکری و عقلی سمجھتوں میں سے انہوں نے کسی بھی شخص پر کسی بھی وقت نامہ فرسائی کی ہے، وہ سوشلزم، جمہوریت، تعلیم و فنس، اقتصادیات، انسانی حالات، قوموں کے عروج و زوال، مہجوروں کی تباہی و تباہی کی پریشانیوں وغیرہ وغیرہ کے اندازہ کے معنوں سے ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی فلسفہ عالم یا فلسفہ دان کی طرف سے اپنے تمام افکار کو تالی صورت میں پیش نہیں کرتے لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امامہ کے خیالات ہ بنیادی منبع اور مخزن مذہبی شعور ہے۔

وہ ایک منظم مذہب Organised religion کے ساتھ وابستہ ہیں جسکی بدولت ان کے عملی محرکات مذہبی رنگ میں رہتے ہیں۔

میں اپنی تحریر کے لئے یہیں پر چھوٹی سی جگہ space بنانے کی کوشش کرتا ہوں، اس جگہ پر ٹھہرنے میں جس مشکل کا حل ڈھونڈنا چاہتا ہوں وہ سماج کی بدلتی صورتوں، نسلی احتیاجات، تمدنی، کوآپ اور دیگر مسائل کے ساتھ وابستہ ہیں اس سلسلے کے خیالات کا جو بنیاد نہیں بلکہ منازل کی نشانی ہے۔ فکری اجتہاد کی یہی دور ہیں تاریخ کے صفحات میں پوری وضاحت کے ساتھ ملتی ہیں۔ خود مدد اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

”حالات زندگی میں ایک مشیر ستان انقلاب آنے کی وجہ سے جس میں تمدنی

ضروریات پیدا ہو گئی ہیں کہ فقہ کے استمدادات جن کے مجموعہ کو عام طور پر شریعت

سمائی کہا جاتا ہے ایک شریعتی کے نمائندہ ہیں“

فکری اجتہاد کی ایک اہم نثری تعلیم ہے، وہ علم و دانش کی صحیح صورت و درجہ تدریس کے موجد



انسانی دلوں و قلوب کے ساتھ ہی انجمنِ اسما صلیبِ عربی کی اہمیت طبعاً، امت کی قومن و زمینوں کے  
ماتحتوں و اُردوں کی شہرت و بے پناہی کے شعور و دل کے رازوں کی ایک آتشی برآمدگی ہے  
انسانی امتِ متمدن سے۔ ان کی رہنمائی تمام مسائل کے مرکز و ثقل کی ہے جو مادیات میں آتشی جلتے  
ہیں۔ اور ان کی ایک و مدد راستے میں چلنے والی نعرہ زنی کے ساتھ ساتھ چار تمام اہل دنیا کی  
مسازل و حل کر سکتی ہے۔ ہم آئندہ شہرت کی زندگی میں چند ایک مقامات کے ذریعہ رہنمائی کرتے ہیں۔ ان  
بہت و جدل کے مسئلے ہیں جن پر انجمنِ قبال کی رہنمائی اور یہ شخصیت کا دور و وقت  
سے خوب دیا جاتا ہے جہاں بدترین ماحولوں و فتنوں و درندہ رستی ماحول یا بہت سے ماحولوں سے  
دشمنوں کے ساتھ ان کی تڑپ پر ان کی آشتی کے قریب رہنے کو چاہیے۔

انسانی شہرت کے اس مسئلے میں یہ بات رہنا چاہیے کہ وہ دنیا کی شہرت کی بجائے اس کی  
قانون کی تدوین، تاریخ، حیات و رازوں کے وسیع مطالعات سے ان کی فہم ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک بات  
ہیں ان کی ہے کہ عصر کی ان کی دور میں، مسائل کوئی تبدیلیاں کی انی صورت میں سر نہ رہیں۔  
قلبی نے اس میں قادیان قیامات کا اچھا خاک مسدود نہیں ساتھ ساتھ تاریخی اس مسئلہ کو دور رس کیا ہے۔ اس  
اس عقیدے کے اہل نہیں مومن جسمیں حالات و اوقات کے بدلے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کی دور  
داری قریب جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں اس امر کی سوجنا سے بڑھ کر ان کے بار بار ان کی  
تجدد و تیز رہنے اس عقیدے کا ایسے مہیا کیا کہ اس کے چھوٹے کلموں کی بدائیں ہوں۔ اس کے  
متحدہ ہر ایک شہرہ کی تحریک میں ایک شہرہ کی تخلیقی و اخلاقی عنصر رہے ہوں۔ اس کے اس وقت  
حکومت میں آتی، ان کی ضروریات کا اہل پتہ انداز ہو سکتا ہے۔ یہ خوب تھا احادیث کے ایک طرف  
مذہبی روئے کے زبردستی و تصور و ذہنی اور دینی طرف عصر کی ترقی و بات، مسائل کا تخلیقی انداز۔

اس مسئلہ کی تاریخ میں بھی یہ فرق کرنا چاہیے کہ اس عقیدے کے ساتھ رہنے والے  
میں کے انداز و بعد پر بھی متاثر ان کی جتنی یہ جہاں میں گزرتی ہیں یا پھر اس کے اثرات  
موجودہ دنیا میں جو صدیوں سے موجود کے مرکز و ثقل کے ساتھ ساتھ

یہ مسئلہ ہر ماحول میں رائج رہا ہے۔ اس کے بعد اس کی رسید کی تمام اہل امت





کتابخانه قومیہ پاکستان اسلام آباد

حضرت مغرب کی سرحدویت میں ایسی فی کرت رتیں۔ جس سے بچے کے پاس جس طرح اپنا کھانا دیتا ہے  
طریق شد استقامت میں بھی نہ کہ یہ وہاں سے مرشدی رہے جو کسی مردانہ شکر یا عبادت آریوں نے  
ساتھا اچھے بل ایک ہزار سال کا فائدہ حاصل کر سکیں ۔

---

---

[illegible]

گزشتہ ایک صدی سے زیادہ عرصے سے پوری دنیا کی سائنسی ترقیوں نے مسائل سے اوجھڑا کر مسائل اور مسائل کو جدید سائنس کی بے سمت تیز رفتاری سے حل کی گئی اور ان کی ایک نئی جہت جس کو ہم نوا کہا جاتا ہے مغرب کے استعماری طریق کار کے شائبہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس لیے مغرب کا یہ سوانحی انتساب ہو یا ماضی ترقی، اس کی جزوی ادراکیت اپنے ساتھ تہذیب و ثقافت

میں نے سب سے پہلے اس سے کہا کہ میں تو کسی اور ملک میں جا رہا ہوں۔

نسبیت و رابطاتی تہذیب کے معنی میں یہ تہذیب کا سلسلہ آج تک اور اب بھی ضرورت حال میں اس کا تسلسل یوں رہا ہے کہ یہ تہذیب کی اور انیسویں صدی کی بات ہے امریکی ستھاریت کا ردِ پ و حساب کیا ہے۔ یہ تہذیب دورِ گذشتہ نصف صدی میں جس تہذیب کو فروغ ملا ہے اس واسطے کہ کی تہذیبی جو تہذیب کے حدود کو ورنامہ دینا مشکل ہے۔ اس تہذیب کو لایا جاسکتا ہے کہ مغربی تہذیب کی بات کی کہ رابطہ میں، قبیل کا عالمی تہذیب آج انیسویں صدی کی صورت حال میں بھی نہ صرف یہ کہ اپنی معمولیت آتا ہے بلکہ مقدارِ وقت کے ساتھ اس معمولیت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تہذیب کی بنیاد پرانی غلطی کے عروج کے زمانے میں جن جن دانشوروں نے اخلاقی تہذیب اختیار کیا تھا ان میں نہیں تھا جیسے، جی تہذیب جو تاریخ اسلام کی عظیم المرتبت شخصیتوں کی عظمت کو اپنی آسمانیت کے ذریعہ مستحکم کر رہے تھے اور جس کے عرض کیا گیا کہ کبر۔ آبادی بھی تھے جو تہذیب تہذیب کا شعری وسیلہ اختیار کر کے قدر۔ انتہا پسندی کے ساتھ مغرب سے آنے والی ہر اچھی اور بُری چیز پر تہذیب کی کھینچ رہے تھے۔ مگر قبل کا معاملہ اپنے تمام معاصرین سے اس لیے مختلف تھا کہ وہ مغربی تہذیب و رُخسار زندگی کی حرکیات (Dynamics) کا ان سب کے مقابلے میں زیادہ گہرا شعور بھی رکھتے تھے، اور اس کے مضمرات سے پوری طرح باخبر بھی تھے۔ تاہم ان کا انحراف مغربی تہذیب کے منحنی اترات اور دور رس نتائج کا زائیدہ بھی تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں نہیں ہے کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ:

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں

کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

۔ قبیل نے اپنے شعوری ارتقاء کے تقریباً چار سال یورپ میں تحصیل علم کی خاطر صرف کیے تھے۔

قیم یورپ کے ہی زمانے میں ان کو مغربی تہذیب و تمدن و فکر و فلسفہ کو سمجھنے و قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اس زمانے میں انھیں گوئی، ہٹن اور ورڈزورٹھ کی شاعری اور وہابیٹ ہیڈ، آئنس ٹائن، نپٹس اور برکس کے فکر و فلسفہ سے متعلق ماکمل واقفیت کو تکمیل تک پہنچانے کا موقع ملا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ زمانہ محض مغرب سے ان کی واقفیت کا زمانہ نہ تھا بلکہ مشرق کے فلسفہ، اخلاقیات، مذہب اور روحانیت کو بھی زیادہ بہتر طریقے پر نہیں مغرب میں جا کر یا تہذیبی غور و خوس کے نتیجے کے طور پر ہی سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ اس

فکر و فنِ اقبال کے چند پہلو۔ عصرِ حاضر کے حوالے سے  
ایوانکلامِ جاوید

حضرت انیس سو اٹھاون سو تیسویں سال وادی کارو ایک دور سے تاحضرمیں ٹٹے کی ویشکی کی راہ سے  
کس بات کا بھی اندازہ دواتے مغرب سے س بار تھاتے تھے یہی وہ کیفیت تھی جسکی بدلتا مغرب  
کے سب کی ضروریات سبکی معترے کی ترقی و کیفیت کو موافق معزانی تہذیب کی پیکر ملک سے سب کی  
آنکھیں نیچے دیکھیں، ملک انوں سے ہر مرحلہ مغرب و یک کر ہوا قد اور یہ رکھنے کے لئے اسے بدلتا ہ  
روایہ اختیار کیا۔ اور سبھی صورت پر مغرب کی فکر سے مختلف یہودوں سے ترقی تو اس کرتے ہیں مگر ان میں بدلتا کی  
قد مگر کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہودہاں مغرب کی سرہ زندگی کے بھی سبکی ویرانوں کا احساں رکھتے ہیں  
ہو ہیں اس کے تاج و درتسمانہات کا بھی دانش و راہ شہور رکھتے ہیں۔

۱۹۱۴ء کے زمانے میں پہلی عالمی جنگ کے آثار نے اقوام کے مذہبوں، باطنی عقائد اور ساری دنیا کے انداز، طرز، معاشراتی معیارات کی مینہ ٹکیت، بددلت اور نقصان پہنچانے اور ان کو بحالت سہانے کے متغیر بنادیا ہے۔ قبل کے اس ایسے سر کی بددلت ساریات سے بھی دانش ہوتی ہے کہ مغرب کے آثار میں عقل اور نام بہار و ترقی خیالی، سائنس اور شخصیت یا عقلی معیاریہ اور عینیت و خود ان کے زمانے میں بہت سے مغربی دیہات اور دانشوروں نے بھی تحت تشدد کائنات بنانا شروع کر دیا تھا۔ مغربی دیہاتوں میں ویم بلیک ہوں، دروازہ زور تھ ہوں یا کائنات، سب کے یہاں عقل پرستی کی مخالفت ہرگز نہ ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ مغرب کے نوآبادیستوں اور فلسفیوں کے عمومی تصور پر درجہ میں فلسفیانہ خصوصیت کے ساتھ میکائیت اور انسانیت کو روند کر کے بنانے والی سائنس پر مسلسل تشدید شدہ اثرات کی گئی تھی۔ مگر یہاں ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ مغربی مفکروں اور اقبالی کی تشدید میں جیسا کہ فرق یہ تھا کہ اقبالی نے مغربی مفکروں کے برخلاف مغرب کو ہمیشہ مشرقی انسان اور دانش اور کی یاد دہانی اور اپنی مشور

شاعری میں اپنے رد عمل کا اظہار کیا۔

میں کہ ہمیں معلوم ہے کہ عامہ اقبالی کی ڈائریٹ کا تحقیقی - Development of

Metaphysics in Persia: مسائل مشرق کی زندگی پر مسلمانوں کے فلسفہ و عقیدہ کا حوالہ اور ہندوؤں کے بھوتوں کے ساتھ رات کے منشی اثرات اور عقلیت کی دریافت کا بنیادی وسیعہ کا قصہ۔ گھر ہم ان کی تحقیق کو دینی حرکت اٹل و رہاں و جہاں کے متعلق توازن کے فکری محرک کے طور پر دیکھیں۔ یہ پتا چلتا ہے کہ قبل

۱۰. اُن قتل کے پیدائشی مسماں سے ہے

کی تئق اور نہ وہ ہمیں برائے مر بور اور منہ انہی نے ہم کی تشکیل کرتے ہیں۔ ڈائن اقبال شرق کی مچھولیت اور سب ٹھنی کے پٹنہ میں مغرب میں صبح و حرمت و نمل کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ تاہم وہ پنا اسلام کی تہہ نظر کی قرب و مویش نہیں کرتے کہ، دیت اور حرکت و نمل کی اودیت اپنی جگہ مگر اس کے ساتھ اگر روحانیت اور اس کی برائی بھی شامل ہو جائے تو انسان بحیثیت انسان کے بھی تشکیل حاصل کر سکتا ہے اور وہ مرد پائل بائے کا بھی حق وار قرار دیا جاسکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حرکت اور قوت کو سب کچھ سمجھنے والے فلسفے ہیوٹا اس نے جہاں سنات و رحمت نمل کی وجہ سے انہیں شرق کے تانہ میں ایک مثالی مفکر نشر آتا ہے۔ تاہم اس نے اادیت ڈائن اقبال کو یہ سب پر مجبور کرتی ہے کہ روح نیت اور عقیدے کے بغیر اس کا فلسفہ بھی ایک ناقص فلسفہ بن کر رہ گیا ہے۔ فلسفے کے بارے میں اقبال کے متعدد بیانیوں ہی کی طرح اس شعری بیانیے میں بھی یہی اشارے مضمر ملتے ہیں:

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں

تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

اس سیاق و سباق میں اگر ڈاکٹر اقبال مغربی پتھر کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو اس سے یہ بالکل نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے مشرق کے پتھر کے نقائص کا احساس نہیں رکھتے۔ وہ مشرق میں پائی جانے والی ساری انکاریا حرکت و عمل و مصلحت آمیز رویے کے نققدان کو بھی اسی طرح نقصان دہ اور ہلاکت خیز سمجھ کر رہتے ہیں جس طرح وہ مغرب کو، آیت میں خود کے باعث قابل تنقید گردانتے ہیں۔

مردہ لادہنی افکار سے انرنگ میں عشق

عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام

مغرب کے مدنی اور تہذیبی رویوں کی تقلید کے جو نتائج برصغیر پر نمودار ہو رہے تھے ان کے ہر پہلو پر اقبال کا واضح رد عمل ملتا ہے۔ مثال کے طور پر سیاسی نظریات کے ضمن میں جمہوری طرز حکومت کی مشابہت کا معنی نہ یہاں مذہب و سیاست کا موازنہ یا مغربی ثقافت کے تصورات درکھو کھلے پن کی نشان دہی، ہر پہلو کے بارے میں ہمیں اقبال کی رہے بہت سوچنی پڑتی گئی ہے۔ جو کبھی مسائل پر ان کا فطری رد عمل ہے، کبھی بعض مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش ہے اور بعض میں نہایت پیش بینی کے ساتھ مغربی

درویشوں کو۔۔۔ پند پسند۔۔۔ مسلمانوں کے لئے ۔۔۔ ہندوستانیوں کے لئے۔۔۔ اور

اقتربت سے مسلمانوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ تو اس سے پہلے ہی کہ یہاں پہلے درویشوں کے لئے پیدا کر سکتی ہے تو وہ سمجھ لیا کہ اس وقت تک کہ یہ مغربی تمدن کے درویشوں کی زندگیوں میں نہیں۔ اسی باعث اقبال کا خیال ہے کہ

فساد قلب و غفلت سے فریب کی تہذیب ۔۔۔ درویشوں کی حدیث کی رو سے نہ مہیب  
 رہے نہ روئے میں پائیداری تو ہے نابھید ۔۔۔ غمخیزوں کو دانیل مند، اناؤں کی سیف  
 وہ یورپ میں تھم، نقشِ ندرت و چوڑی صحنِ تسلیم کرتے ہیں مہربان بات کی محسوس سے  
 ہیں کہ وہاں کی لہر میں انسان اپنے حساس جذبہ بات، اناؤں کی لہر کی سی چوڑی صحنِ تسلیم کرتے  
 سے جس کو اقبال نے آج کی حدیث سے استعارہ ہے اس میں یہ ہے جو روایتی، انسانی سوچ پر غصہ و ہمت کی  
 میں پایا جاتا ہے۔ یہاں مغرب و تہذیب کی ظلمات، اس کے داخلی تضادات میں یہ بفر رومیا ہے

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے

حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

یہاں اس نکتے کو بھی شمر رکھا گیا ہے کہ یورپ میں روشنی علم و ہنر کا قیام ہے۔ یہاں روشنی و ہنر ہے۔  
 چوں کہ یہ روشنی سرفراز ہے یا نیاوی ہے اور چوں کہ اس میں فیہ معنوی صوری اندرونی تسکوت بھی ہیں،  
 اس لیے اس اقبال نے ”ظلمات“ کے استعارے میں نفس معنوی مضامین کے ساتھ بیان کیا ہے۔  
 جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جس طرح اقبال کو مغربی تہذیب کی بے ہمتی کے نکتے میں اپنی تہذیب و  
 ثقافت کے ساتھ مذہب و دروہیت تک کے فحش جانے کا اندیشہ ہے، کم و بیش اسی طرح اقبال کے  
 خیال میں متمدنی معاشروں میں صلابت، حدود و جہد، حرکت و عمل وراپنی بات کو تسلیم کرنے پر ان کا رد و  
 نہیں پایا جاتا۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنی مختلف نظموں و رزمیوں میں کہیں مراد لکھنے کے طور پر اور کہیں صرف  
 فلسفیانہ رائے کی حد تک متمدنی اقوام کی شخصی اور سماجی خامیوں پر بڑی کڑائی کے ساتھ پناؤ ڈھلایا ہے۔  
 یہ ہے کہ مشرق کے تمدن و مومن کے باوجود یہاں کے تمام ان مومن و مومنہ کے تسلیم نہیں کر  
 لیتے۔ اس ضمن میں متمدنی کی ناکامی، بنیت و حکومت اور، بدست مغربی تہذیب کی تشبیہ و تمثیل  
 نے خصوصیت کے ساتھ قابلِ اعتراض بنایا ہے۔ دراپنے خیالات کے ذریعہ ان تمام معاشروں کی



میں قبوں سے بہرہ مند ہو کر رہا کرتا تھا۔ یہاں پر میں نے اپنی ساری زندگی بسر کی تھی۔

اور بہت پسند نہیں کرتا تھا۔ اس وقت یہ ہے کہ قبوں مغرب کی طرف کی برقی کھانوں کی طرف سے  
میں سب سے پہلے مغرب کی طرف سے بہت بڑھی ہوئی رہا تھا۔ اس وقت میں نے اپنی ساری زندگی  
اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر اپنی تعلیم کے مترادف طور پر سمجھا تھا۔ اس وقت میں نے اپنی ساری  
زندگی بسر کرتا تھا۔ انہوں نے ۹۳۲ء کے اپنے ایک کپڑے میں بہت واضح انداز میں بیان کیا کہ

”میں یارپ کی پیش کردہ پیشکش از سر کا مخالف ہوں، اس لیے کہ مجھے اس تحریک میں ماضیت اور ح کے  
جو شیم سر کرتے ہیں اور یہ حریم میرے نزدیک اور اس کی انسانیت کے لیے شدید حسرت کا باعث ہے۔  
جب الوٹنی کا رتبوں بالکل طبعی ہے۔ انسان کی اخلاقی زندگی میں اس کے لیے بڑی حد تک یہ ممکن ہے۔  
میت اس کے یمن، ان کی تہذیب اور اس کی روایت کو حاصل ہے۔ میری فکر میں ان کی قدر کے لیے  
انسان کو جینا اور مرنا پڑیے۔ نہ کہ زمین کے اس ٹکڑے کے لیے جس سے اس کی روح کو کچھ عارضی سہارا  
پیدا ہو گیا ہے۔“

اس شخص میں عدل و اقبال، انسانی حقوق کی بھرت چھیڑتے ہیں اور بار بار ان کی دعا، جنت الوداع  
کے موقع پر کیے گئے اس عدل پر پڑتی ہے جس میں روس کریمسکی نے بدھسم کے تمام ہی نوع انسان کے  
حقوق اور درجہ کار کا تسلسل ذکر کیا تھا اور وہی سچ معنوں میں انسانی حقوق کا، سلامتی و کارکن تھا۔ اس میں  
سل، رتب، ملاتے، زبان اور جنس جیسی کسی بھی ترقی کو ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا تھا۔ عدل و قبوں  
بدل نہیں بھی سکے اور جینوں کی بات کرتے ہیں تو دراصل ان کی سرور میں رائیس کے ان دو چاروں سے  
باتی ہے جن میں سے ایک ڈیڑھ چار سال قبل اسد مرکاچ رٹ تھا اور دوسرے کو اقوام متحدہ کے دورے میں  
اور بعد مغربی قوموں یا جمیٹ، توام کا ڈیڑھ چار سال قبل اسد مرکاچ رٹ تھا اور دوسرے کو اقوام متحدہ کے دورے میں  
کی بازوئی کے سرکار و درجہ کے طور پر کرتے ہیں۔ یہاں پر اس کے لیے قبوں کے جینوں اور ان کے اس  
طرح کے تھکے تھکے کی پیش کش کے لیے حمت، نایاب ہے۔ قبوں نے اس معنوں میں کہہ اور جینوں کے معنوں  
نے ایک نظر کی گئی ہے جس میں انسانی حقوق سے متعلق دونوں طرح کے تھکے تھکے کو واضح کیا گیا  
ہے

اس دور میں قوموں کی صورت میں اپنی حاکمیت و شہرہ و عہدوں کے رتبہ و مدت کا



ان قوت کے چند نمونہ۔ مریخ، زہرہ، شمس اور مریخ کی آمدنی صورتوں پر اقل کارروائی

تشریق ملل حکمت افریقہ کا مقصد اطلاع کا مقصد فقط ملت آدم  
نے دیے ہیں جن کو یہ پیغام جمعیت قرار دے کہ جمعیت آدم  
اس سوار نے سے انداز دینا یا مانگنا ہے کہ وہ کون سا ملک ہے جو منشور پیش کیا  
یہ تھا اس میں ملک، نسل، رنگ اور جنس تک کی کوئی تفریق قائم نہیں کی گئی تھی اور جینو کا ذکر ریش و جدت  
آدم سے زیادہ وحدت اقوام یا بغیر انسانی ریاستوں کی وحدت کی بات کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی  
فطرت اور قدر و مشرت جب اقوام و ملکوں کی قسمت میں تبدیل ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سی سی  
زہاد مقدم ہو گئی ہیں اور بنی نوع انسان کی عظمت کہیں بچھڑے چھوٹ گئی ہے۔ مکہ اور جینو، ہی کی طرح تمام  
قبول سے مشرق میں جینو جیسی کسی مرکزی بدھ کا بھی خوب دیکھ تھا اور توقع خاطر کی تھی کہ اگر شہر ان کو یہ  
مرکزی حیثیت یا جگہ حاصل ہو جاتی اور اس مرکز پر مشرقی قومیں اتنی روادانق کا خواب دیکھ سکتیں تو دنیا کا  
سیا سی اور ذاتی نقش پکڑ اور ہی ہوتا۔ اس سے کہ اس میں نہ پیریل اپنڈے کی بالادستی ہوتی اور نہ مشرق و  
مغرب کی کوئی تفریق روادار کی جاتی۔ جمعیت اقوام مشرق سے موسوم نظم کے دو شعروں طرح ہیں

دیکھئے ملکیت فرنگ نے جو خوب ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے

ظہران ہو گر امام مشرق کا جینو شہید کردہ رن کی تدبیر بدل جائے

معاصر سی سی صورت حال میں ذرائع ابلاغ نے جس طرح اصطلاحات کے معنی تبدیل کر دیے  
ہیں اور جس انداز میں ہم اپنی نفس پسند یہ و قدروں کو غیر اہم سمجھنے لگے ہیں اس کی تسخیری منسوبہ بندی میں  
مغربی ممالک بائیسویں بڑی طاقتیں بڑی حکمت اور ہنرمندی کا ثبوت دیتی ہیں۔ اس نوعیت کا ایک مسد  
سیاست و مذہب کی پائنت اور بقاء کا ہے۔ مغربی سیاست نے اپنی سہولت اور آزادی کی خاطر  
جیسے کوساں اور مدنی زندگی سے بے دخل کرنے کی کوشش جس سے تروٹ کر رکھی ہے۔ رفتہ رفتہ یہی  
ذہنیت پر تغیر میں جسی عام ہونا شروع ہوئی اور ختم خرافیہ یہ ہے کہ بعض رجعت پسند صحافیوں اور سماجی علماء  
نے مذہب اور سیاست پر ایسی آریں کھینچیں جن میں سیاست کو مذہب سے دور رکھنے کی وکاست  
ہوتی ہے۔ اقبال نے سیاست اور مذہب کے موضوع سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذہب کی  
متوازن رہنمائی کے بغیر سیاست کیسے تباہ ہو رہی جاتی ہے اور اس کیسے غالب آ جاتی ہے

فکر و فنِ اقبال کے چند پہلو۔ مصرع و نثر کے حوالے سے

$\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

کتابخانه ملی و دولت مستشاری عالی معارف و اوقاف و صنایع مستظرفه

اولیٰ باب و اولیٰ - فیہ خبریں اولیٰ باب و اولیٰ

• Reconstruction of  $\hat{f}$  from  $\hat{f}_1, \hat{f}_2, \dots, \hat{f}_N$

religious thought in islam

سارا انکسار اس لئے ضروری ہے کہ کوئی بھی مادہ کی میانی و مادی حالت میں اس وقت تک قائم رہے جب

ایک عقیدہ، اور خوفِ خدا اس کے پیچھے۔ کلی درجہ کی قوت کے بغیر ہمارے لئے وہاں ہونے والی باتوں

"بیس کی بیس سواری" اور "ایٹھن" کے فرماؤں کے ساتھ میں مختلف مردانوں کے

ہے اس کے دو شکرے کی خوشگوار ہے۔ ابھی کے فرماں میں اقبالؒ کا بیانیہ بیان ہے

ساست و نظریات کلیه در زمینه های مختلف

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840.

تقدیمات کے لئے دو دنوں کا مختصر دور

[illegible]

*Journal of Management Inquiry* 18(6)

5

1. *Pharmaceutical industry* – The pharmaceutical industry is the largest of the three industries, with sales of \$10.5 billion in 1997. It is the only industry that has a significant presence in all three markets.

*Journal of Management Inquiry* 18(6)

[illegible]

*Journal of Management Inquiry* 18(6)

۱۷۔ حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر میں دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور ان کے پاس ایک کتا ہے جس کا نام "سُورِہ" ہے۔

[illegible][illegible]

میں نے اسے سمجھایا کہ وہ اپنے والدین کی بات سے بچ کر میری بات کو اپنی بات بنائے۔

عالم اقبال کے لیے یہ مصرع - ہے ۔ ہے ۔ ہے ۔ اور ہر مومن کی ہمت ہوتی ہے اقبال ہر محل

سرمایہ داری و نوں پر ہر بار توجہ کی انہیں یہ سب یاد دہانہوں نے انوں کے تئیں بھی ہر جگہ  
 آج کے آج ہیں۔ ان کی مشہور دینی سرگرمیوں میں سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں پر ایک ساتھ  
 توجہ دینی ہے۔ ان کے ہر اقبال کو ان دونوں ہیقتوں میں یکساں اہمیت دیتے ہیں

ہر دو راہاں ناصبور و ناشکیب ہر دو یزداں ناشناس ، آدم قریب  
 ندی ایں ر خرواق تیں را خرق درمیان ایں او سب آمد زباج  
 یں یہ صحر و ایں و فن تر شکست یں یزدان راز تیں ہاں را ز دست  
 نرق ایہ ہر دو را در آب و گل ہر دو را تیں روشن و تاریک دل  
 کی طرح انہوں نے کارن ہارس کی دانش و دانش تنظیمت و س مشرعی میں خزانہ عقیدت پیش  
 کرنے کے لیے جو اہم اشیائے انسانی سے اس کے انکار اور اوارے مذہب کی دہی و روحانی اقتدار کو  
 قبول کرنے کے سبب ان کی حقیقت بھی واضح کر دی ہے ۔

زندہ حق در باطل اور منہر است قلب او مومن و غش کافر است  
 دین آل ، پیغمبر حق ناشناس ہر مساوات شکم دارو اساس  
 علامہ اقبال نے اپنے عہد کے تہذیبی انتشار و ممکنہ مغربی اثرات کے بارے میں وقتاً فوقتاً جن  
 اندیشوں کا اظہار کیا تھا وہ تو قبل کے بعد نصف صدی بھی نہیں نثر کی تھی کہ برصغیر کی معاشی زندگی کے  
 تضادات میں پوری طرح ظہور ہو گئے تھے ۔ تاہم مغربی تہذیب کے اثر سے پیدا ہونے والے اخلاقی و  
 سماجی سریش سے ہم آہنگی بھی پوری طرح دا چ رہی ہے ۔ اقبال نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے بارے  
 میں رد و قبول کا جو انداز اختیار کیا ہے اس کا اندازہ آپ نے نکال لیا ہوگا ، لیکن سرمایہ داری و ذخیرہ اندوزی  
 کے دوئے رستے مغرب کے بیگم اور جس شخص کی خرید و فروخت نے کسوں دیے ان کی سماجی شہرہ کی طریق  
 کار سے جی کرنا ممکن نہ ہو سکی ۔ اس اقتصادی منصوبہ بندی و معاشی ہول جہتوں کی ساری منصوبہ بندی  
 یورپ سے نکلی ہوئی امریکہ کے بارہا جس اور پر نیوٹ بیگم کے قوس سے ہائی جس میں نہ تو سرمایہ  
 کاری کے کسی مستحکم منسلق کی گنجشہ تھی ورنہ تاثرانہ طریقے پر کوئی شفاف اور غیر پیچیدہ طریق کار اختیار کیا  
 گیا تھا ۔ اس لیے نہایت غیر مستحکم و رکھو رکھی معاشیات اور سرمایہ کی ظاہری نمائش کا مکان زیادہ تھا ۔ اقبال



’ ان کی آوازیں نہ مل سکتی تھیں۔ ’

۷۷

’ کب قاب کا سرمایہ پرستی کا سینہ  
دنیا ہے تری فہم روز مہکات

’ یہ شعر ہے۔

’ ہوا میں طرح دشت روز فرنگ  
کہ حیرت میں ہے ہمیشہ بار فرنگ

مندرجہ بالا ہکات وراثتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گراقبوں جیسا کوئی بلند پایہ شاعر اپنی شاعری کی فنی حرمت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی دشت وری ورفسنیہ سیرت کا اظہار کرے گا تو اس میں نہ صرف یہ کہ غیر ضروری سپاٹ پن اور فکر کی جنگالی نہیں ہوگی بلکہ اس کی فنی عظمت کے عین من بق اس شاعری کے ادنیٰ حتمی صورت حال میں نئی نئی معنویت کے ساتھ کھلتے رہیں گے۔ فکرِ قبل اور شعرِ اقبوں کی حیرت تمیز، متواتر کیفیت ان کی سیرت کو اسی لیے غیر معمولی اعتبار بخشی ہے۔



۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سب سے پہلے سب کے ماحول میں خلائی و فنی کاری متاثر ہو رہی ہے۔ اسی لئے ان کی زندگی کی بنیادیں کمزور ہو رہی ہیں۔ سب سے پہلے سب کے ماحول میں خلائی و فنی کاری متاثر ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے سب کے ماحول میں خلائی و فنی کاری متاثر ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے سب کے ماحول میں خلائی و فنی کاری متاثر ہو رہی ہے۔

رہنما از اندر خود و زیور ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسکیم جاں ہے زندگی

تو است بیخود و فردا سے نہ ناپ جاوداں، تہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

کبھی غائب نے ملک کی، دی اور سبھی ترقی دیکھ کر عیش عیش کیا تھا۔ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے تھے کہ کھلتے کا نام آئے ہیں کسی وجہ باقی انداز میں ہائے کرتے گئے۔ خیر ہے کہ جو شخص اس قدر طویل سفر گھوڑے، پانکی، ناؤ وغیرہ سے طے کر کے پہنچے ہو وہ ملک کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی برقی بسیں، ٹرینیں، بجلی کی روشنی، کارخانے، چھاپے خانے وغیرہ کو دیکھ کر حیران تو ہو ہی گئے۔ آپ سے پشیمان بھی ہو۔ پھر انھوں نے سرسید کی ماضی سے متعلق کتاب پر مقدمہ لکھتے وقت یہ کہہ دیا۔ ”مردہ یورپ مبارک کار نیست“ جسے غائب کی روشن خیالی اور مستقبل شامی سے حیر کیا گیا۔ اقبال، غائب کے بعد آئے، نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ دور میں، مغرب کا سفر کیا، انہی تعلیم حاصل کی اور ایک خیال ہے کہ وہ مغرب کی تعلیم کے زیادہ خلف بھی نہ تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

کھتے ہیں سب کے لئے غریبوں کے لئے غائب عالم تازہ کی سرستیاں گناہ نہیں

لیکن ایک خیال یہ بھی ہے کہ مغرب کی، وہ برستی، مبینہ زندگی اور جملہ اہمیت کو سوز و گداز، فقر و قحط کے بجائے علم و عقل، طاقت و تدبیر کی تکنیکی و منطقی میزان پر ٹٹنے کا انداز ہی انہیں مشرق کی طرف لے آیا اور وہ شام مشرق کہلائے اور جہاں جہاں روحانی، وجدانی اور ایمانی کیفیات سے دوچار ہوئے لیکن یہ بھی کہ یہ جذبہ یمانی یا فلسفہ سلاوی روایتی و معمولی نہ تھا بلکہ سترقی تصوف کی وہ لاکھارتھا جس میں اگر ایک سجدہ معرفت کے ساتھ ہو جائے تو مسالک فرعون کی زیر ہو جائے۔ قناعت پسند و غنی ہونا روحانی کینیت کا سرچشمہ ہوا کرتا ہے جس کے سیلاب میں امریب و استعماریت بہہ جایا کرتی ہے۔ اقبال نے ان سب کے زمرے میں مسرت انسان کو گمراہ و پابا جو آج اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ ترقی اور تہذیبی زندگی کا ایک فطری عمل ہے، اقبال نے کہا تھا:





تاریخ ۱۳۸۵/۱۰/۱۵

تاریخ و جغرافیہ

میں نے سیاست میں جیتوڑتے ہوئے ایک نئے رشتہ کو قائم کیا ہے۔ یہ ہے کہ ہم اور طاقت کا رشتہ بہت پہلے  
 کے ایشیائی ممبروں کے خلاف کیے گئے اور ایشیائی ممبروں کے پاس یہ ایک پائیدار رشتہ ہے۔ یہ ہے کہ ہم بہتر رشتہ کے سفر  
 پر ہیں۔ یہ ہے کہ ہم ملحقہ ممبروں کے خلاف، انسانی طاقت اور سہولت کو وسیع سے وسیع تر کرتے ہیں لیکن اس کا  
 وقت اب نہیں ہے۔ یہ طاقت اور طاقت کا ایک بڑا رشتہ ہے۔ کوئی تو بات ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے  
 میں سیاست پر قبضہ کیا ہے۔ بعد میں یہ طاقت پر اقبال کے لئے ہم، جس کے شعور کے لئے پہلے ہی  
 مناسب پالیسیوں کے ساتھ اس کے ساتھ رہے، اسی لئے وہ لیٹن کی مارٹن میں کے اور لیٹن خد کے حضور میں۔

۱۔ دوسرا آہ ہے کہ تو جس کا ہے مہبود وہ آدمِ خاک کی کہ جو ہے زیرِ سماوات  
 مرقی کے خداوند سفیدانِ فرنگی مغرب کے خداوند درخشندہ فلکِ زات  
 یورپ میں بہت روشنی ہے و ہنر ہے حق یہ ہے کہ ہے چشمِ حیوان ہے یہ ظلمات  
 رعنائی تہی میں ، روشنی میں سنہ میں گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بناؤں کی منارات  
 بناؤں کی منارات پورے معاشی و اقتصادی انتظام کی طرف بیخِ اشارہ ہے ۔ جو تین اداکار کی زندگی ، قمر غزل  
 کے آثار و اظہار کا اسلامیہ بن چکے ہیں ۔ کبھی غالب نے بھی بیخِ اشارہ کیا تھا ،

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لپ گئی ہماری ذوقِ مستی ایک دن  
لیکن اقبال شہرِ دقائم کے مقابلے میں حرمِ جوں کے اس نثار کو چھٹی طرح سمجھتے تھے اور عوام کو سمجھانا بھی  
چاہتے تھے:

اے کہ تجھ کو کھ گیا سر پہ دار حیدر  
ہست ہوت آفریں کو خدایوں قیامی  
نسل قومیت، بیٹا، سادات، اندیبا، سب  
ورپہ و شمشیر یہ بھی جیتیں

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار  
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات



عراقی اقبال سے چند پتوں میں سے جو ملے تھے

پروفیسر علی احمد کی اقبال کی مصرعی معنویت

مستور تہذیب و ثقافت کہ جسے انسانی تہذیب اور سادگی شائستہ بھی کہا جاسکتا ہے، اب سدزور دیا۔ اسی لئے  
 ایک طرف ان کے فکر و شعر میں اسماں متاہیر کا ذکر ہے تو دوسری طرف گرونا تک، رام، سوامی رام  
 تیرتہ وغیرہ کا بھی خوب خوب ذکر ہے۔ مغرب کے مفکرین سے متاثر کہ نسبت کو وہ، دھما مومن قر ر دیتے ہیں

آنکھ پر طرح حرم بُت خانہ ساخت

قلب او مومن دماغش کافر است

نانک کے بارے میں کہتے ہیں:

پھر انھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے

ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

رام کے بارے میں کہتے ہیں:

ہے رام کے وجود پر ہندوستان کو ناز

اہل نظر سمجھتے ہیں اُس کو امام ہند

اقبال نے ہمیشہ تنک نظری اور مذہبی تعصب کے خلاف آواز اٹھائی اور کہا کہ ایک سچے مسلمان کا طرزِ عمل یہ  
 ہونا چاہیے کہ لہ انسانیت سے محبت کرتا ہو۔ مومن و کافر سب اللہ کے بندے ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

فرقہ نہ ہند عاشق در کعبہ و بُت خانہ

ایں جلوتِ جانانہ، آں خلوتِ جانانہ

اقبال نے آدمیت اور احترامِ آدمیت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے جو آج رخصت ہو رہی ہے بلکہ ہو چکی  
 ہے۔ تہذیبوں کے تسادم، مذہبی تنک نظری، اقتصادی سیلاب، فرقہ واریت اور صابریت کا، حدِ علاج وہ  
 قرار دیتے ہیں کہ انسان محبت و رقابت کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام کرے۔ تعاون کرے کہ یہی  
 نسلِ آدم کی بقا کا واحد علاج ہے، وہ ترقی کرے، آگے بڑھے کہ اقبال خود ترقی و تبدیلی کے قائل ہیں اور  
 نصرتِ خود، غرضِ تبدیلی نمونہ پذیر ہے کہ۔۔۔ ”تڑپتا ہے ہر ذرہ کا کتاب“ وہ جمود کو مٹا سکتے ہیں۔ زندگی  
 کو حرکت و حرارت سے جوڑتے ہیں۔ ”پیامِ مشرق“ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ۔۔۔ اس وقت دینا میں  
 ورپا نسووس مشرقی ملک میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے



مذہب اقبال — جدید ہونے سے نہ ہے — پائیدار ہونے کی — اقبال کی مذہبی مقننیت

مذہبی تہذیب کا یہ مناسب ہر مہم نہیں ہوتا کہ وہ مقامی تہذیب سے منقطع ہو جائے۔ پریم چند کی عظمت کا راز اس میں بھی پتہ دیتا ہے کہ انہوں نے مقامیت، ریشیت اور ارضی ثقافت کو غیر معمولی ہیئت دی اور اس انیسویں صدی کی باس میں انسانی و سماجی مسائل پیش کیے۔ اسی طرح اقبال کا سرچشمہ سلام ضرور ہے لیکن وہ نے عرب کی شہنشاہیت سے مختلف نکلتے تھے اور کہا جی کہ عرب کے شہنشاہوں نے اسلام کے حقیقی تصور پر آئینہ نہیں کیا۔ یوں جی سلام عالم انسانیت کا مذہب ہے صرف ایک قوم یا فرقہ کا نہیں۔ اسی طرح وہ قومیت کے جدید سیاسی تصور کا اسلام کی قومیت کے تصور سے ہم آہنگ پاتے تھے کیوں کہ ان کے ذہن میں انسانی اشتراک کا ایک وسیع تصور تھا جس کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

جدید دور میں وہی انسانیت اور آدمیت کا پیش دریا ہوساں زمینیں دیو نہ دار خدا نہ ذہنیت کا شکار ہو گئی ہے۔ قدریں بکھر گئی ہیں، راستے ڈھل رہے ہیں۔ ادب، تہذیب، قانون یہاں تک کہ مذہب کی سوداگری نے جہل و انہماک کے سارے انسان دوست اور سکون پرور ماحول کو مستحکم کر کے رکھ دیا ہے۔ نظر اور نظریہ کا رتہ ہے جبکہ اقبال نے کہا تھا — ”تراہنج نظر کے سوا کچھ در نہیں“ دوست ہے بہا کا دور دورہ، ایک اندھا من ہے جس کی آہٹ اقبال نے بہت پہلے محسوس کر لی تھی

غبارِ راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال  
خود بتا نہیں سکتی کہ دعا کیا ہے  
قصاصِ خونِ تمنا کی مانگئے کس سے  
گناہ گار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

چند اشعار اور ملاحظہ کیجئے:

ابھی تک آدمی صیدِ ذہبونِ شہرِ یاری ہے  
قیامت ہے کہ انسانِ نوری انسان کا شکاری ہے  
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمکِ تہذیبِ حاضر کی  
یہ صنایع مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا

میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا

یہ سب کچھ میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا

فلسفہ کا روپ اختیار کرے ہوئے ہے

زندگی کا راز کیا ہے، عظمت کیا چیز ہے ؟

اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیا خردش ؟

میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا  
میں نے سوچا کہ میں کیا کروں گا

کھیل آگے، زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ

شرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ

لیام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکہٴ عیم درجا دیکھ!

ہیں تیرے اقرب میں یہ پارل، یہ گٹھائیں

یہ مکنید افلاک، یہ خاموش فضا میں

یہ کوہ، یہ صحراء، یہ سمندر، یہ ہوائیں



نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔

میراثی جہان کی قوموں میں

نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔

نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔  
نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔

ترکِ علم و محبت کی نہیں ہے انتہا

نہیں ہے قہر سے بڑھ کر سازِ قسمت میں خواہی

تو دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

ہر آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

اور یہ بھی:

مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

ایک سے قہال مرتبی، ہمارا اور کئی کو بھی پسند کرتے ہیں۔  
نہیں انسان کا جنت سے نکال دینا پسند کرتا ہے لیکن  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔

نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔  
نہیں جنت میں لے کر دے دینا چاہتے ہیں۔

مری سراجی سے قطرہ قطرہ مئے حوادث ٹپک رہے ہیں

میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

ان کی جگہ پر لکھ دیا ہے۔

وہ جس کو دیکھ کر ہر آدمی

نہیں تذبذب پہنچتا ہے کہ اس کی ہر بات

میں اس کی طرف سے ایک نیا ہیرو ہے۔

قیامت کی آمد سے پہلے ہی سے اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا ہیرو ہے۔

## علامہ اقبال اور احترام آدم

پیرا فیسر ہر شہر - حسین

شاعری کے سلسلے میں آئندہ دستور اس بات پر مشتمل نظر آتے ہیں کہ بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب آجسب، اسلوب تحریر کی خوبی اور موضوع و متن کی رفعت و بلندی کے متوازن استخراج سے عظیم شاعری وجود میں آتی ہے۔ موضوع و متن کی رفعت و بلندی سے مراد ایسے موضوعات ہیں جو انسانی زندگی سے قریب ہوں، جو انسانی زندگی کے ست اہم ہوں۔ جس کے پڑھنے یا سننے سے قاری یا سامع کے اندر شعور کی یا غیر شعوری طور پر فرحت و مبساط یا غم و اہم کی کوئی نہ کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہو اور جس سے ہمارے علم میں، شعور، ذات و ہر پردہ فکر میں کسی قسم کا اضافہ ہوتا ہو، یہ کیفیات جتنی زیادہ ہوں گی اسی سہارے شاعری میں رفعت اور بلندی پیدا ہوگی۔

اس نسلِ نعر سے ملے اقباس کی تہا سحری کا چہرہ لیس توان کے یس۔ بہترین الشاد کی بہترین ترتیب کے ساتھ ساتھ زیادہ تر موضوعات بھی انسانی زندگی سے ہی سروکار رکھتے ہیں۔ خواہ اسرارِ خودی ہو، رمزِ ب خودی ہو، مراۃِ امن ہو، عشق ہو، قتل ہو، مذہب ہو، ہو کیت ہو، اثر کیت ہو یا احترام آدمیت و انسانیت، اس انسانی زندگی کے مسائل کا حل طر کرتے در اس۔ ہر۔ میں ایسا نثر یہ دیکھ کر قتل پتہ کرتے ہیں۔ ایسا اس کے ہے کہ بتوں، جنوں، گور، کپوری۔

"تپن روٹا پہلے شرم ہے جو منکر چہی ہے اور صاحب پختہ مہی۔۔۔۔۔ ورا اردو

تہ مری میں اقبال کی بستی ہیں جن کو صحیح معنی میں مفکر کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ ان کی تہ مری کی بنیاد ایک خاص نظام فکر یعنی Ideology پر ہے۔ ان خیالات میں ترتیب و تسلسل اور استدلال و نتیجہ کشی آتا ہے۔“

فصوص ملامتیں نے اسان دوسکی اور احترام آدم کا خیر یہ جس فصوص، گہرائی اور صداقت

۱۔ تھیں، راجپوتوں کی اقبالی بہرہ مشورہ اقبالی ہزارے کچھ مشاہدات۔ بیچ اس نہر دیو، رشی۔ ۵۹

۔ فقر، قتل کے پہرے پہلو، مہم، صحت کے رستے

ست فٹیش لیا شہید بنی کسی تتر تتر کے بیتی یہ ہو۔ تھیریدی کوئی تتر تتر ہوئے جو انوں کی آنے والی کے فون نے  
آنسو راپا دواور شہید بنی کوئی تتر تتر ہو جس نے یہ کہا دیکھ۔۔۔

بہتر اور کروں مقام کو رستہ انہل تہذیب احترام آدمی است  
دراصل دوسرے انسانوں کے تئیں ہمدانی کرنے، ہمدانی سوچنے اور تفتیش و ہمدرد ہونے کا نام انسانیت،  
نسان دوستی یا احترام آدمی ہے۔ نمریزی میں اس کا مفہوم ہیومنزم (Humanism) ہے۔ یہ بات ثابت  
ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں اس کی  
تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

HUMANISM A system of thought concerned with  
human affairs ethics (not theology) promotion of human  
welfare.

آکسفورڈ انڈونس برزڈکشنری میں سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

HUMANISM A system of thought that considers the  
solving human problems with the help of reason it is  
more important than religious belief It emphasizes the  
fact that the basic nature of human being is good.

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کی رُو سے وہ روتل جس میں انسان اور انسانی اقدار کوئی دلیلین ترجیح دی  
جاتی ہو انسان دوستی کہلاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مغرب میں دوسرے سب سے پہلے یونانیوں کو انسانی عظمت  
سے روشناس کرایا۔ اس نے آزد انسان کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں جذبہ بندگی بھی پُر از سچہ دگی نہیں ملے  
خدا کا تصور رفیتانہ اور مسدیانہ ہے۔ لیکن اس سے پہلے یونان کی تاریخ میں ایک شخص یورپڈیز بھی گذر  
ہے (۴۸۵ سے ۴۰۶ ق م)۔ اس کا تہر یونانی ڈرامے کے رکان تلواد میں ہوتا ہے۔ اس نے احترام آدمی کا

اردو ترجمہ پورن۔ تلواد، ۱۰، اقبول کا مرد مومس۔ مکتبہ پامہ پٹی رملی، ۱۹۷۹ء، ص ۸

اپنے عہد کے لحاظ سے منفرد نظریہ پیش کیا۔

یورپین سائنس دانوں کا خیال تھا کہ انسانوں پر تمام آفت و بایات دیوتاؤں کی نافرمانی کی وجہ سے آتی ہیں۔ چنانچہ ان کی پرستش کرتے رہنا چاہئے۔ یورپین سائنس دانوں نے اس خیال سے بغاوت کی، اس کا کتنا ثبوت ہمیں ایتھینائیوں کی پرستش نہیں کرنی چاہیے جو انسانوں کو اپنے ظلم و ستم کا شکار بنائے اور ان کی جیتیں جیتیں۔ اس نے اپنے ڈراموں میں انسانی عظمت کو بہت اہمیت دی ہے۔ دو ایڈراموں میں، ایڈام کی تحریف کے بجائے انسان کی جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

سب سے پہلے چودھویں صدی کے وسط میں اٹلی کے ایک شخص PETRARCH نے اپنی تحریروں سے باقاعدہ انسان دوستی کی تحریک کی ترویج کی جو بعد میں تمام یورپ میں پھیل گئی۔ اس تحریک نے انسان کی دریافت کی۔ اس کے تحت عام، فکر و خیالات کا مظہر، انسان ٹھہرا۔ دنیاوی زندگی سے لگاؤ اور اس کو زیادہ سے زیادہ پر آسائش بنانے پر زور دیا گیا۔

اقبال بن مغربی تصورات سے بھی واقف تھے۔ مگر انہیں جس تصور سے متاثر کیا وہ عظمت بشر کا سبب تصور تھا۔ اسلام نے انسان کو تمام مخلوقات ماری دنیا کی پر فسیست دی اور رب مہربان نے اس کے لئے ساری ناکامیوں کو ختم کر دی اور اس سے بڑی بات یہ ہوگی کہ اسے خدا کا پروردگار بن کر اس کا نائب قرار دیا۔ اسلام میں انسانوں پر انسانوں کے حقوق ادا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد ادا کرنے پر زور دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسلام میں سماجی مساوات، رنگ اس کی بنا پر تفریق نہ کرنا، عمل و انسان کا طریقہ، رزق حلال کی تلقین، مستغنائہ معاشی نظام، سرمایہ داری کی نشاۃ ثانیہ، وغیرہ امدادی سے نفرت، انسانی فلاح و بہبود کی یہ تمام چیزیں عظمت آدم کے عتراف میں ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اپنے احترام آدم کے تصور کو انہیں اسلامی انوار سے منور کیا ہے۔

خودی کے نگہاں کو ہے زیرِ ناب

وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

وہاں ہاں نے رہا ہے رتہ  
رہا جس سے دنیا میں بند

اس رُک رہتی کہ رزق سے موت آئی  
جس رزق سے کئی ہو پار میں کچھ

نہیں بندہ و حق فسادِ آدمیت است  
حذر اس چیزِ دستاںِ نشت چہ فرست کی محو میں  
ۛۛ

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انتخاب  
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

اتناں کا تیار ہے کہ نموں کے گشت تہ کو روحانی جہانِ تہ کی راہوں سے نہانی گشت ہو  
تسویسٹیں کیا جس پر فرست بھی رشک کرنے کے اس کی دست میں انہیں بھی ہوں ورمہائی شہر کے

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بیتابی  
خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمائی

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن  
تری سرشت میں ہے کوہِ بکی و مہتابی



قبول انسان دوستی نے محنتِ رُغنِ مس سے کیا ہے۔ یہ جہنم ہے۔ وہ انسان دوستی پر دکھانا چاہتے ہیں جس سے انجم بھی سبے جاتے ہیں۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سبے جاتے ہیں  
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہرِ کامل نہ بن جائے  
حضورِ حق میں اسرائیل نے میری شکایت کی  
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے پرپا

اقبال کے یہاں نہیں نہیں سمجھتے Idealism یہ بات ہے۔ خصوصاً جب آدم مرے  
مومن اور انسانِ کامل کی بات کرتے ہیں لیکن یہ سمجھتے نہیں بلکہ انسان دوستی کے جذب کی شدت ہے۔  
اسے مثالی بنا کر پیش کرتی ہے۔

اقبال کا فلسفہ خودی بھی تصورِ ذات کے ذریعہ عظمتِ انسان کو بلند کرنے کا ہی کُنہہ ہے۔ وہ  
انسانی عظمت کے ارتقاء کے لئے خودی کی عظمتِ ازلی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں کہ فارغ  
انسان کو حقِ انسان حاصل ہو، اور اسے حقیقی سلامتی اور حقیقی بہتری کا راستہ مل جائے۔

یہ کارِ گہِ حیات اپنے تمام تر حسن کے باوجود ہنسنے سے محروم نہیں۔ انسان خودی کے ذریعہ  
کی تسخیر کر سکتا ہے۔ خودی کا کمال یہی ہے اور اقبال کے نزدیک انسان دراصل نیت کی مہرِ انسانی ہے۔  
آزادی انسان کا پیدا ہونے کا حق ہے، نہادی انسانی زندگی اور معاشرے کے لئے سب سے بڑی  
لعنت ہے، نہادی جسم و جان کے ساتھ فکر و خمیر کو بھی ہے جان اور برونِ بدایتی ہے، انسان دوستی کا تعلق  
ہے کہ انسان دوستی کے خلاف احتجاج کرے، اس کے پار سے میں دیدار میں آئے۔ علامہ اقبال نے  
نہادی کی مخالفت کرتے ہوئے اس پر شدید ضرب لگائی۔ وہ آزادیِ ذہن کے ساتھ ساتھ انسان کی نفسی  
آزادی کی بھی بات کرتے ہیں۔ نہادیتیں ہیں کہ ایک بندہ آزاد ہی انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے  
ہوئے تسخیر کا ثبات کر سکتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں

ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات



بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب  
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے  
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

اقول کے تصور ات نہایت بند اور نام انسانیت پر محیط ہیں۔ انہوں نے مسلک انسانی کو آفاقی  
نمایا۔ بتوں بچوں کو رکھ پوری اقبال پہلا شاعر ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا پہلا شخص ہے جس نے یہ نظریہ پیش کیا  
کہ خداوند قدرت کے مقابلے میں انسان بھی پناہ ایک مقام رکھتا ہے ورنہ دنیا کی تہذیب و آرائش میں انسانی  
ردے اور کوشش کا بھی دخل ہے۔ ہمارے کان پہلی بار ایسی آواز سنتے ہیں جس میں ولولہ حیات اور پندار  
انسانیت ہے۔ "مخادرہ مائین خدا و انسان" میں جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے، ارشاد ہوتا ہے۔

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم  
تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک چو باد تاب آفریدم  
تو شمشیر و تیر و تنگ آفریدی

تیر آفریدی نہال چمن را  
تفس ساختی طائر نغمہ زن را

حضرت انسان کی طرف سے اس کا جواب جس سچے اور اسلوب میں دیا جاتا ہے، اس سے پہلے شاید ہی کسی  
نے یہ لہجہ یا اسلوب اختیار کرنے کی جرأت کی ہو۔ جواب یوں ہے۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم  
سناں آفریدی ایام آفریدم

بیابانِ دل سے ہرگز نہ ہٹاؤں  
نیاپانِ دل سے ہرگز نہ ہٹاؤں

میں آٹھ سو تیس سال سے  
میں آٹھ سو تیس سال سے

ایک شعر میں انسانیت کا مقام و مرتبہ ملاحظہ کیجئے۔

مناغ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندلی  
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

۱۔ اشفاق حسین، اقبال اور انسان، نندھرا پبلشرز، سیٹھ کیڈی، حیدرآباد ۱۹۶۹ء

فرستوں یر انسانی برتری کا مضمون تو دوسرے شعرا بھی باندھتے رہے ہیں۔ شفیق جوہر نے صیدے تو  
اورے شعراء کے یہاں بھی ہیں مگر انسانی منہ کو یزداں تک صرف اقبال ہی پہنچاتے۔

در دست جنوں من جبریل زبوں صیدے  
یزداں بکند آور اے ہمت مردانہ

اقبال نے سرمایہ رقی کے خلاف جس جوش و خروش و رسد وقت کے ساتھ آواز اٹھایا وہ بھی ان کی انسان  
دوستی کی ایک نادر مثال ہے۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ در  
انتہائے سادگی سے کما گیا مزدور مات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ  
دنیا ہے تری منظرِ روزِ مکافات

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دہر چلے گر  
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دست دولت آئیں کو مزدیوں ملتی رہی  
بل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی  
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو چلا دو

یہ رودستاہری کی پائلٹی آواز تھی۔ علامہ اقبال نے انسان کے شعور و ذات کو جس طرح بید رکھا  
کوئی دہنہ کر سکا اور اس کے ساتھ انہوں نے ذوق سعی و عمل بھی پیدا کیا، ورنہ اس کے ذاتی میلانات کو ایک نئی  
سمت کی طرف رواں کر دیا۔

تصوف کا ایک نقطہ یہ ہے کہ خدا بندوں کے دلوں میں رہتا ہے اگر خدا تک پہنچنا ہے تو پہلے  
بندوں کے دلوں تک پہنچو۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ۔

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے  
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اس سے بڑی ہر بات کہ اقبال کا عقیدہ بھی معرفت حق کا وہی راستہ ہے جو انسان دوستی سے  
مذرتا ہے ورنہ انسان دوستی کے زوال کو زور آدمیت سے تعبیر کرتے ہوئے ”شربِ کلیم“ میں کہتے ہیں۔

اسی کو کب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن  
زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

اقبال کے نزدیک انسان سے ہمدردی ہی انسان دوستی کی بنیاد ہے چنانچہ وہ ہر انسان کے دل کو ہمدردی  
انسان سے لبریز دیکھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں۔

\_\_\_\_\_

*Pseudotsuga canadensis*

شاید قدرت و کمین و وسوسه بران

سر شمس جز جہانگیر نسبت ہونی سوز نہ دہ

جنوں نور کچھوروں کے مرقوں سے ہمارے کائنات کو تروت پختی ہے کہ

”ان دن شاہری کا فعل جو ہر شہنشاہیت ہے شہنشاہیت ہے۔“ انسانیت ہے جو عزت

میں قابل تسلیم چیز سمجھی جائے گی۔ آئندہ سفیس اقبال کی جس چیز کو اپنے لئے باعث فخر و

برست تھریں گی وہاں تانہ بندی فم ہوگا نہ جبریں لے جگہ سانسیت اور فہیت

دشمن کے وہ ارقہ سہاوت ہوں گے جن سے ان کی سہارٹی شاہری ٹوٹ رہی ہے اور جن کی

انسانی تہذیب کو اپنی صورت و رنگ کے لئے ہمیشہ ضرورت ہوئی۔

10

مکینان کو رخصتوں، اقسام کا ایذا، لی تیسری، مستحبہ، قابل مذکور کے چند مقدمات، جو اس کی تیسری و چوتھی دفعہ ۱۰۰

442

## ساقی نامہ

پروفیسر مجید مسر

اقبال نے دو ساقی نامے لکھے ہیں۔ ایک اردو میں جس کا شمار بال جبریل کی نمائندہ نظموں میں ہے، دوسرا فارسی میں جو ”پیام شرق“ میں شامل ہے۔ سائنہ نے مختلف اینتوں اور اصناف میں ساقی نامے لکھے ہیں۔ اقبال کا فارسی ساقی نامہ نزل کی حیثیت میں ہے۔ یہ دادی کشمیر کی رعنائی و زیبائی کے حسین تذکرے سے شروع ہوتا ہے۔ اس اشعار پر مشتمل اس ساقی نامے کے پہلے دس اشعار فردوس بروئے زمین کی تعریف و توصیف میں ہیں۔

تو گوئی کہ یزداں بہشت بریں ، نہاد است در دامن کوہ سارے  
کہ تارختش آدمی زادگان را رہا سازد از محنت انتظارے  
چہ خواہم دریں گلستاں گر نہ خواہم شرابے، کہا ہے، رہا ہے، نگارے  
باقی ماندو شعاریں کشمیریوں کی ربوں حالی کو پیش کیا گیا ہے اور ان ہی میں وہ مقبول اشعار بھی شامل ہیں جن کا حوالہ اقبال اپنی تحریروں میں عام طور پر دیا جاتا ہے۔

کشمیری کہ باندگی خو نرفتنے بے ی تراشد ز سنگ مزرے  
خیمیش تہی از خیاب بلند خودی ناشد سے ز خود شرمسارے  
برستم قبا خواجہ از محنت او نصیب تنکش جامہ تار تارے  
نہ درویدہ او فروغ نگاہے نہ در سینہ او دل بے قرار  
فارسی ساقی نامہ ایک مخصوص مکانی سیاق رکھتا ہے لیکن محولہ بال اشعار میں خودی اور محنت و سرمایہ کے تعلق سے جو اشارے ملتے ہیں کم ز کم ان کی بنا پر اس کا ایک تعلق اردو ساقی نامے سے ہے ورنہ اردو ساقی نامے کے ساتھ اس کا موازنہ کرنا دور کی کوڑیاں مارنے کے مترادف ہے۔

اردو ساقی نامہ کاشمار اقبال کی نمائندہ، دراہم ترین تخلیقات میں ہوتا ہے۔ اقبال کی طویل نظموں

میں یہ مثنوی انسانی کیفیت کے انور و شائق برتاؤ و رمز کے شعری بیانیہ میں حاصل ہونے والی ہے۔  
ممتاز ہے۔ مثنوی اعتبار سے یہ ایک مثنوی ہے و اس میں مثنوی کی یہاں مقبول اور رواں مثنوی ہے۔  
مستعار بہ مستعار یہ مثنوی (فہم فہم فہم فہم) کو استعمال کرتا ہے۔ اس کے شاعرانہ  
تجربے کے مستند نامہ بھی رزمیہ مثنویوں، مثنوی کی ہرستان میں مثنوی انسانی مثنوی اور مثنوی کی مثنوی  
ایک ہی مثنوی کے لیے ہیں۔ مثنوی ہائی ہے۔ اقبال نے مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
ہے لیکن مثنوی میں اس حرکت بھی استعمال کیا ہے۔ ابستہ مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
کیونکہ اردو میں چند ہی شعرا اس وزن میں ہیں یا پھر ہائے در میں شامل ہیں کی مثنوی مثنوی مثنوی  
اردو میں مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی

دلک مشق ہے کہش مشق ہے زمیں مشق ہے سہار مشق ہے  
لیوں پہ رہا تو ہنسی آگئی نگہ میں رہا آنکھ شرما گئی  
ظہیر کبر باد کی تین جس سے دو مثنویاں کی بحر میں ہیں جن کے اشعار یہاں مثنوی مثنوی مثنوی  
عجب دلکش عالم حسن ہے عجب دل فزا عالم حسن ہے

عجب مشق کا رتبہ و رتبہ ہے عجب مشق کی رزم و رزم ہے  
نظم اقبال نے ساقی نامہ کے یہاں مقبول اور مثنویاں میں مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
کیا ہے۔ اقبال کے یہاں مثنوی یا مثنوی مثنوی کی تعداد مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
بیان کے لیے کہاں سے است زیادہ موزون پایا ہے لیکن بحر مستعار کا انتخاب ساقی نامہ کے مثنوی مثنوی  
مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی  
مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی مثنوی

مثنوی ہند کے باغبانو مثنوی مثنوی انقلابی جوانو مثنوی

گنگوٹی اقبول ہے۔ بدنامی۔ دوسرے نام سے۔

پرمیسر محمد منیر سہاسی نام

یا پھر ہاں تو رشتہ سے من نامہ میں منو کی بنا، ماسی میں تھی۔ من قسم کی ہوتا، سہاسی نام سے خطاب کر کے کی گئی ہے۔ گریزیوں ہے۔

اڑا تیرے چہرے کا کیوں رنگ ہے

ارے تجھ کو بھی خطرہ جنگ ہے

سہاسی نامہ اقبالی میں نظموں میں شامل ہے۔ ۱۹۹۱ء میں یہ نظم بھی اقبال کی دوسری کتاب میں نظموں کی طرح من نامہ حصوں میں بندوں پر مشتمل ہے۔ ایڈرلین پوٹ اپ ایک مضمون The Poetic Principle میں طویل نظم کے وجود سے انکار کرتے ہوئے اس اصطلاح کو A Flat Contradiction in Terms کہا ہے۔ پ کے بقول طویل نظم دوسرے تاثر کی حامل نہیں ہو سکتی اور اس میں تجزیہ کو قائم رکھنا محال ہے کیونکہ تجزیہ محال اور مختصر ہوتا ہے۔ پ کے غیر ضروری اختصار کو بھی عیب گردانا ہے کیونکہ اس سے نظم مقبول سازی یا معنی میں بدل جاتی ہے۔ اقبال کی طویل نظمیں اتنی طویل تو نہیں ہیں بحر خمی ن میں بحر بند کی کاٹل ملتا ہے۔ مسجد قرطبہ آٹھ بند پر مشتمل ہے اور ہر بند نظم کا حصہ ہونے کے باوجود خود مختار اور آزاد بھی ہے۔ یہی حال ذوق و شوق کا ہے۔ سہاسی نامہ میں سات بند ہیں اور ہر بند جزو نظم بھی ہے ورنہ آپ میں آزاد بھی۔ آل حمد سرور نے شاید اسی لیے اقبال کی طویل نظموں کو چھوٹی نظموں کا نمونہ قرار دیا ہے۔ تاہم نظم کی تعمیر اور اس کے تعلق سے ارتقاء خیال کی رو سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مسجد قرطبہ، ذوق و شوق اور سہاسی نامہ تینوں میں الگ الگ اکائیوں کے درمیان وہ ربط ہے جس سے ایک بہتر اکالی صورت پذیر ہوتی ہے ورنہ تعجب کو قائم رکھتے ہوئے وحدت تاثر کو پیش کرتی ہے۔

سہاسی نامہ کا آغاز بہار کے منظر سے ہوتا ہے۔

|                           |                           |
|---------------------------|---------------------------|
| ہوا خیمہ زن کاروان بہار   | ارم بن گیا دامن کوہسار    |
| گل و زنگ و سون و سترن     | شہید از نامہ خونین کنن    |
| بہر مچھپ گیا پردہ رنگ میں | لبو کی ہے گردش رگ سنگ میں |
| نت نیکی نیکی ہوا میں سرور | ٹھہرتے نہیں آتیں میں طیور |
| وہ جوئے کہستان اچھتی ہوئی | مکتی چلتی سرکتی ہوئی      |

رُکے جب قوسل چیراتی ہے یہ  
پہاڑوں کے من چیراتی ہے ۔  
درا دیکھ اب ساقی ۔ دم  
ساقی ہے یہ زندگی کا یہ  
پہ وہ مجھے وہ کے پروا سور  
کہ ساقی نہیں قوسل کل مار رہا  
وہ ہے جس سے روشن ضمیر حیات  
وہ ہے جس میں ہے سوز و سار زں  
وہ ہے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے

لڑا دے مولے کو شہباز سے

بہار کا یہ منظر جتنا خارق ہے اس سے کہیں زیادہ داخلی بھی ہے۔ بہار کا ہاروں و سن و سار  
ضمیر زن ہوتا ہے تو سار کے دس میں بھی رنگ و رنگ چوں کھل اٹھتے ہیں۔ سارا جہاں گویا پر ہرنبہ میں  
چھپ بھپ بھپ ہے۔ چوہوں میں کل دنگس اور سوٹن و فسترن تو ہیں بنی ساتھ ہی ماہ بھی ہے جو بہار کے من  
منظر میں نمایاں ہے اور جسے شہید ازل و خونین کفن کہا گیا ہے۔ مگر سابقوں میں اس کی ستغاراتی حیثیت کو  
بہ نثر رکھ جاے تو معدوم ہوگا کہ یہاں گویا اسی کے وجود سے ہر شے قوت و حرکت سے متصف ہے۔ ہر شے  
رواں رواں ہے۔ رنگ پھیل کر پردہ بن گیا ہے اور رنگ سنگ میں بھی لہو کی گردش ہے، پردے آشیوں  
میں ٹھہرتے ہی نہیں کہ مسلسل پرواز کی طرف مائل ہیں۔ اسی اثناء میں شاعر کی نثر جو سب کھتا ہے پر پڑتی ہے  
جو چھتی، ٹھکتی، چھکتی، سرکتی، کوئی بڑی تندی اور تیزی سے رواں ہے اور اس کے بہاؤ میں وہ شدت ہے کہ اگر  
یہ بڑبھکی رکاوٹ بنے تو اس کا دل چہرے کے رکھ دے۔ جوئے کو بہتان رواں رواں زندگی کا استعارہ ہے۔  
جوئے کو بہتان کے لیے پہلے ضمیر ”وہ“ کا استعمال ہوا ہے جو دوری کو ظاہر کرتا ہے پھر یہ دوری داخلی سطح پر  
نزدیکی میں بدل جاتی ہے گویا خارجی منظر ایک داخلی کیفیت، تجربے میں بدل جاتا ہے اور ”وہ“ کی  
جگہ ضمیر ”یہ“ کا استعمال ہوتا ہے۔ گریز کے شعر میں بھی ”یہ اور“ ذرا دیکھ اور اصل پس کے منظر کو بھی  
ظاہر کرتے ہیں جواب داخلی لینڈ سکیپ بن گیا ہے۔ چنانچہ ساقی کے جمال کو ظاہر کرنے کے لیے بھی ماہ  
کا سہارا لیا گیا ہے۔

ساقی، ماہ کے پہلے شعر میں کاروان بہار (یا پھر کاروان اور بہار دونوں) حرکت و توانائی کا سیر



نکروٹن اقبال کے چند پہلو۔ مصری شعر کے حوالے سے

پروفیسر محمد منیر ساقی نامہ

ہے۔ کیا وہ اس مسلسل سفر کا ستارہ ہے۔ اس کا تھہرنا، رخصتی ہے۔ فصل بہار بھی تو روز روز نہیں آتی۔ اس نیک دوست بہار بھی فرست کہاں افسانوں کی مناسبت سے ہے یہ سوز کی ٹسب خوب ہے۔ ایسی ہے کہ جو عروں واپسی مٹا کرے، جس سے نئی حیات روشن ہو اور زندگی در کائنات کے اسرار اور موز مسکشف ہو جائے اور جس سے مومن کو شہر سے رُست کی ترغیب مل سکے۔

پچھلے بند میں کا روائ بہار، لہا ہو کی مردش اور جوئے کو بہتوں کے ستاروں سے جوقند تیار ہوتی ہے و دروں وہاں زندگی کی فضا ہے جس میں شاعر کے سامنے تغیر و تبدل یہ، غلبہ بات کی ایک نئی دنیا نمودار ہوتی ہے۔

|                                |                              |
|--------------------------------|------------------------------|
| زبانے کے انداز بدلے گئے        | نیا راگ ہے ساز بدلے گئے      |
| ہوا اس طرح فاش راز فرنگ        | کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ |
| پرانی سیاست گری خوار ہے        | زمین میر و سلطان سے بیزار ہے |
| گیا دور سرمایہ داری گیا        | تماشا دکھا کر مکاری گیا      |
| گراں خواب چینی سنبھلنے لگے     | ہالہ کے چشمے اُبلنے لگے      |
| دل طور سینا و قاراں دو نیم     | تجلی کا پھر خطر ہے کلیم      |
| مسلمان ہے توحید میں گرم جوش    | مگر دل ابھی تک ہے زنا پر پوش |
| تمدن تصوف شریعت کلام           | بتانِ عجم کے پجاری تمام      |
| حقیقت خرافات میں کھو گئی       | یہ اُمت روایات میں کھو گئی   |
| بھاتا ہے دل کو کلام خطیب       | مگر لذت شوق سے بے نصیب       |
| بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا   | لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا |
| وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد | محبت میں یکتا حمیت میں فرد   |
| عجم کے خیالات میں کھو گیا      | یہ سالک مقامات میں کھو گیا   |

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے



مری نامہ رازب سے یاد کر  
تہ نگاہ سے سراسر مرکبیت  
میں دیدنی ترکیبے خوبیاں  
مرے تالے نیم شب کا نیز  
انہیں مری آرزو میں مری  
مری فطرت آئینہ روزگار  
میں مری رزم نامہ حیات  
میں کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر  
مرے قافلے میں لٹا دے اسے

شاعر خردگوئی سے زبرد کرنے اور جوانوں کو پیروں کا استاد کرنے کی دہائیوں کے دوران کے کردار کے  
جمال و جمال یا صداقت اور جذبہ عشق کی مدت کے لیے دل مرتضیٰ اور سوزِ صدف کی طلب کرتا ہے۔ وہ  
پے سوزِ خفا، عینِ بے ترکیبِ خوبیاں، اپنی بے بسیوں اپنا نیراز، اپنا گداز، اپنی انہیں اور آرزوئیں،  
امیدیں و رجائیں کماؤں کے لشکر کے قافلے میں اپنے یقین کا ثبات۔۔۔ غرض اپنی ساری متاع  
اپنے قافلے پر لٹانا چاہتا ہے۔

اس دہائیہ بند کے آخری شعر میں قافلے کا استعارہ مجھ سے رواں دواں زندگی کی جانب لے  
جاتا ہے جس کے لیے پراساتی نامہ کے اٹھ بند مشتمل ہیں۔

دما دم رواں ہے ہم زندگی  
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود  
گرس گرس گرچہ ہے صحبتِ آب و گل  
یہ ثابت بھی ہے اور ستار بھی  
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر  
یہ عالم یہ بت خانہ شش جہات  
ہر اک شے سے پیدا ہم زندگی  
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود  
خوش آئے اسے ٹھٹ آب و گل  
غناصر کے پھندوں سے بیزار بھی  
مگر ہر کہیں بے چکوں بے نظیر  
اسی نے تراشا ہے یہ مومنات

پروفیسر مجید منظر..... ساقی نامہ

کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں  
مگر عین محفل میں خلوت نشیں  
یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے  
اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول  
کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور  
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

پھر کہتا ہوا جال میں تا صبور

ترہپتا ہے ہر ذرہ کائنات  
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود  
لفظ ذوق پرداز ہے زندگی  
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند  
سفر ہے حقیقت حشر ہے مجاز  
ترپنے پھڑکنے میں راحت اسے  
سکھن تھا بڑا تھامنا موت کا  
رہی زندگی موت کی گھات میں  
اٹھی دشت و کھسارت فوج فوج  
اسی شاخ سے پھوٹے بھی رہے  
اجڑتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات  
ازل سے ابد تک دم یک نفس

رموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

گماڑ میں جوے کو بستن کا جو یکہ رتھا، وہ بوسعت پا کر یم زندگی کے سیکر میں بدل گیا ہے جس کی ہر اہستہ حرکت زندگی کی توانائی اور حرکت کا ایک دواؤیز نہ چھیڑا ہے۔ حیات و کائنات کے مٹ ہر کا مشاہدہ شعری سیکر میں ڈھل گیا ہے۔ جن سے قوت حیات کے متنوع پہلوؤں کا انکشاف ہوتا ہے۔ فہرست کا ہر مشاہدہ فکر سے ہم آمیز ہوا ہے۔ معروضیت کی انتہا یہ ہے کہ یم زندگی کے استوار سے ہوا آئینہ ہوتی ہے اس میں اگرچہ بنیادی حوالہ نشان ہی ہے لیکن اس کی مرکزیت کی ترفع کو نمایاں کرنے کے لئے حیات و کائنات کے دوسرے مٹ کو بھی ہیئت دی گئی ہے۔ جنی کائنات کی وسعتوں اور اس کی رنگارنگی کا ذکر جن منستوں سے کیا گیا ہے ان میں دشت و کبسا رنجی ہیں، پھول اور بول بھی، آسمان اور بیابان بھی، پرندے بھی، آب و گل اور تعلقہ اؤد، بھی۔ یعنی مت خانہ شش جہات کی وحدت میں کثرت و رمت نئی صورتوں کی جدو ثنائی ہے جس کا تکرار نہیں بلکہ تنوع ہے اور تکیونی قوت تخلیق کے مسلسل نل میں مسرور ہے۔ زندگی کا تفس مٹ مٹ کے ابھرتا ہے۔ یہ نئی نئی صوتوں میں جلوہ گر ہو کر اپنی تجدید کرتی ہے۔ شاخ حیات سے گل اکر ٹوٹتے ہیں تو اسی سے نئے گل پھوٹتے بھی ہیں۔ اس لیے یہ محض وہم ہے کہ موت زندگی کا چھپا کرتی ہے جب کہ حقیقت میں زندگی موت کا تعاقب کرتی اور اس پر غالب آنے کے لیے تیز جواں ہے۔ اس کا ٹھہراؤ فریب نظر ہے کہ اسے تڑپنا پھڑکنے کا ہے اسی لیے اسے منزل سے بڑھ کر سفر پسند ہے۔

یا نچو یں بند کے آخر بر زں سے بد تک پھیلی ہوئی بے پیوں زندگی کے لیے ”دم یک نفس“ کا استعارہ لایا گیا ہے اور جیٹا اور ساقیاں بند اسی موج نفس سے شرد ہوتا ہے جسے تلوار سے تعبیر کر کے خودی کا فلسفہ چھیڑا گیا ہے

|                                 |                             |
|---------------------------------|-----------------------------|
| خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے   | یہ موج نفس کیا ہے؟ تلوار ہے |
| خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات      | خودی کیا ہے؟ رازِ درون حیات |
| سندر ہے اک بوند پانی میں بند    | خودی جلوہ مست و خلوت پسند   |
| من و تو میں پیدا من و تو سے پاک | ندیرے اجالے میں ہے تباہک    |
| نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے   | ازں اس کے پیچھے ابد سامنے   |

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی  
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی  
سبک اس کے ہاتھوں میں سبک گراں  
سفر اس کا انجام و آغاز ہے  
کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں  
اسے واسطہ کیا کم و بیش سے  
ازل سے ہے یہ کشکش میں اسیر

خودی کے مومن و کافر ہیں  
خودی کے مومن و کافر ہیں  
خودی کے مومن و کافر ہیں  
نبی اس کا تقویم کا راز ہے  
یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں  
نشیب و فراز و پس و پیش سے  
ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہیاں کو ہے زہر ناب  
دہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند  
فرو فال محمود سے درگذر  
دہی سجدہ ہے لائق احترام  
یہ عالم یہ ہنگامہ رنگ و صوت  
یہ عالم یہ بت خانہ چشم و گوش  
خودی کی یہ ہے منزل اولیں  
تیری آگ اس خاکداں سے نہیں  
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر  
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید  
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود  
ہر اک منتظر تیری یافار کا  
یہ ہے مقصد گردش روزگار

وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب  
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند  
خودی کو جگہ رکھ ایازی نہ کر  
کہ ہو بس سے بہ بہ تیرے پر حرام  
یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت  
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش  
سفرِ ابدی یہ تیرا نشیمن نہیں  
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں  
ظلم زمان و مکاں توڑ کر  
زمین اس کی صید آسماں اس کا صید  
کہ ہر خالی نہیں ہے خمیر وجود  
تری شوخی فکر و کردار کا  
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

راہیں توں کے چند پہلو۔ عصر حاضر کے حوالے سے  
پروفیسر مجید مضمحل۔ ساقی نامہ

تو ہے ہر عام خوب و زشت  
تو ہے کیا تمام نری سر زشت  
حقیقت پہ ہے چہ حرف تک  
حقیقت ہے تینہ ستار زلف  
دعاں ہے بیٹے میں شمع شمس  
مگر تاب کس قدر کہتی ہے جس  
اگر یک سر موعے برتر پریم  
فرداغ تجلی بسوزد پریم

خود کی بار۔ اس اقبال کے یہ خیالات سنئے نہیں ہیں۔ کلامِ قباں میں یہ بوجہ لکھ رہا ہے۔ لیکن  
ساقی نامہ میں خود کی ہا یہ فلسفہ جس انداز میں پیش ہو رہا ہے اس کی نظیر اقبال کے اردو کلام میں نہیں ملتی۔ فارسی  
میں ان کے تصور سے متعلق بڑے خوبصورت اشعار ملتے ہیں لیکن اردو میں ساقی نامہ کے آخری دو بند  
خود کی بار۔ سے تعلق سے ایچ زد و خستار کے بھی مل میں ویرساوی ورنہ لکھی کے بھی۔ نیز خود کی کا حرکت  
تصور ساقی نامہ کے حرکت کے دتر کہتے اسلوب میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈھل گیا ہے۔ خود کی بیداری  
کا کائنات ہے۔ یہ تجسس کا ماحول ہی مل ہے۔ یہ ان سے اند تک پچھلی ہوئی وہ قوت ہے کہ جس کی ضربوں  
سے ہزار ویاہیک روں بن جاتا ہے۔ پچھلے غم کا اختتام کر کے تھر سے ہوتا ہے جو خطاب ہے۔ خود کی  
لی مہیت کے بیان کے بعد اسے آدمی کی کے دل میں بسا ہوا دکھ یا کیا ہے۔ یہاں سے خود کی کی تہیابی  
کر کے کی تہیابی کی گئی ہے۔ رنگ و صوت کا وہ ملم جو موت کے تابع ہوا جہاں زندگی فقط خورد و نوش ہو،  
جہاں شادی کی حالت میں خیر کے سامنے سجدہ دراز ہونا پڑا۔ وہ خود کی کے تہیابی کی منزل نہیں ہے کیونکہ  
جس کے سے ہے نہ کہ وہ جہاں سے ہے۔ اس سے جہاں کی بھی تسخیر کرنی ہے کہ جو بھی نہ ہر نہیں ہیں  
اور اپنی رائی رائی کے ہے اس کے فکر و عمل اور جذبہ تہیابی کا ارتداد کر رہے ہیں۔

ساقی نامہ کا جو سفر کاروان بہار سے شروع ہوا تھا وہ حیات کے رجز سے ہوتا ہے خود کی کی تہیابی پر  
ختم ہوتا ہے۔ شاعر سے ختم نہیں کرنا چاہتا کہ اس کے سینے میں جمع شمس فرورس ہے لیکن وہ حقیقت پہ چہ نامہ  
حرف و تک یا تا ہے در تاب گشتار است متعذر رفتی روزگار کی مزید و نہاست سے روٹی ہے۔ ایسا لگتا ہے  
کہ ساقی نامہ میں مضمون حالی دراصل خود کی ہے جس کے بالیدہ ہونے کا پورا عمل نظم کی تعمیر و تشکیل کرتا  
ہے۔ اسی صورت میں اس کے ساتھ بند نظم کے سفر کے پڑاویں۔ ان سات بند میں معنوی رابطہ تو ہے ہی

ساتھ ہی دوسرے۔ ہر کا آغاز پہلے بند کے استقامت کے ساتھ ساتھ و تراکیب کی رعایت سے بھی جڑ ہوا ہے۔ محو کے ہشت ہار سے لے کر زمین کے میر و سلطان سے لے کر ارباب کے تعلق میں سے دوسرے بند کے آخر میں اندیشہ و انگ بند میں جھنجھو، تیسرے بند کے آخر میں قند اور چھ انگلے بند میں دھام دھام، چوتھے بند کے آخر میں پھر گتا ہوا تر و تر شے بند میں تینا وافر و اور پچھوں بند کے آخر میں دھو دھو انگلیچہ اور میر کے بند میں مونی نس۔۔۔ ایسی مثالیں ہیں جو کلمہ میں قدر زعمہ نہیں دیا جس کی ہے۔ ایک سطر دوسرے منہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ایک نہیں دوسرے نیلے ہاتھ، یہاں پر وہ خیا است کا یہ سلسلہ ایسا بہاؤ ہے جو ہاتھی نامہ میں جو کہ ہستیاں سے مراد زندگی تک کے تحریک دینے والے خط ہے اور جو کلمہ و چوٹی انگوٹوں کا مجموعہ ہوتا ہے کہ بچے ایک مکمل شعر کی کافی میں صورت پذیر کرتا ہے۔

ساتھی نامہ ایک طے آفریں نثر ہے جس میں حیات و رغبتی سے تعلق قبر کے صورت بہترین استعارے قاسب میں ڈسل گئے ہیں۔ زوریں کا نام یہ ہے کہ پوری مقبولی جو کہ کوستان کی طرح رقص کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اشعار چکے، تکتے، لچکتے، سرکتے، تڑپتے، میڑکتے ہوئے، وفور، سرور کا ماں پیدا کرتے ہیں۔ زمانے اور زندگی کی رانی اور جوانی اور شباب نصرت کے سحر آمیز جلوے جس خوبی اور سبوت اظہار کے ساتھ شہری ٹیکروں میں منتقل ہوئے ہیں وہ قابل دید ہے۔ نیم زن و بن و من، سوئی و سترن، خونین کنن میں ان کی تکرار یا چپٹی، اٹتی، بچتی سرکتی، میں اتنی کی تکرار، یا زور، زندگی، پردہ سوز، روز روز، سوز و سار، راز ازل شہباز، اندر، دیار فتن، شیشہ باز وریں راز کی تکرار یا پھر بنگی میں، چاندی میں، سونے میں، پارے میں میں میں کی تکرار جس خاص صوفی تہنک کو پیدا کرتی ہے وہ مثنوی کے معنوی تہنک کے ساتھ مل گیا ہے۔ پوری مثنوی میں راز کی مسلسل تکرار حرکت کے مونس کو تدبیر عادی ہے۔ مسرعوں میں دفالی ترنم کسی میکانیکی ملل کا نتیجہ نہیں بلکہ تخلیقی وفور اور اپنی فنی سیت کا، جڑ ہے۔ اسی طرح اغانی و تراکیب کے سلسلے میں جہاں خدین یا تندی تسال قابل دید ہے۔ رک سرب میں ہوئی گردش، پہاڑوں کا دل، جون اور میر، بہت اور سپار، خسوت اور انجمن، سمن اور یسین، فتنہ اور امیر، تعلق اور دود، وحدت و کثرت، سمن ورتو، کانٹے وریچھوں، تہین وریچھو، پست وریچھ، سمن وریچھ، زندگی و مرگ، سمن وریچھ، چودہ مست اور خسوت پسند، سندر اور بوند، ندیم کے دراجب، پہاڑ اور



ریب راس، انبی سم، در آواز، نشیب ورفراز، محمود اور ایاز۔۔۔۔۔ یہ اور اس طرح کے الفاظ و تراکیب اسی  
تساوی تسامی کی مثالیں ہیں جو اشیاء کے معنوی ایجاد کو روش کرتا ہے۔ ساقی نامہ میں زیادہ تر پیکر حرکی ہیں  
جو پندہ کی تڑپ سے ہم آہنگ ہیں۔ معنوی اعتبار سے یہ سبکی پیکر سستی راقی انظہار کے قریب ہیں جو بیان  
کی بن ہر سادگی و درراستی کے ساتھ مل کر غم کو، یک شہکار بہنا دیتا ہے۔



رفیق قیاس کے چند بیانیہ مسرعات جو اسے "ظاہر و باطن" کی اقبال کی سہ میں نیسل کو درپیش مسائل  
(سید کی لوحِ تربت" کے حوالے سے)

سونے والے کو جگا دے شعر کے اچڑ سے  
خزمن باطل جلا دے شعلہٴ آواز سے

(سید کی لوحِ تربت)

علامہ اقبال نے ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے جس طرح جگہ جگہ اپنے فلسفیانہ تصورات کو  
شاعری بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی اہمیت و رقت و قیمت کا اندازہ ان کی شاعرانہ ہنرمندی  
کے تجزیے سے زیادہ بہتر طور پر لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی شاعری کے ایک  
بڑے حصے میں اپنی فکر اور تصورات کو پیش کرنے پر اتنی توجہ دی ہے کہ شاعرانہ ہنرمندی بڑی حد تک نظر  
انداز ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ موقعوں کے لیے انہوں نے گفتار کے اسلوب پر قابو نہ رہنے کا اعتراف خود  
بھی کیا ہے۔

گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات  
ایسے موقعوں پر سلامہ کی شاعری پر ن کا فلسفیانہ اور دانش ور نہ وقار غالب رہتا ہے۔ اقبال نے  
اپنی بہت ساری نظموں میں اپنے زمانے میں درپیش سماجی اور سیاسی مسائل کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور  
ان مسائل پر بڑی وضاحت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ بعض مقامات پر ان مسائل کے اسباب و  
عوامل کا بھی پتہ لگانے کی کوشش بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر جن مسائل سے ان کی ملت، خود ان کے  
زمانے میں دوچار تھی یا مستقبل میں دوچار ہونے کا اندیشہ تھا، ان سے کبھی انہوں نے آنکھیں پڑنے کی  
کوشش نہیں کی۔ اس طرح کے مسائل میں سائنسی اور تہذیبی مسائل بھی تھے اور سیاسی یا سماجی مسائل بھی۔  
اس لیے جمہوری نظام حکومت کی بات ہو یا مذہبیت کے فروغ کا مسئلہ ہو یا پھر اپنے زمانے کے مشہور  
فلسفیانہ تصورات پر رائے دینے کا معاملہ ہو، اقبال کسی بھی معاملے میں خاموشی اختیار کرتے نظر نہیں  
آتے۔ ہر صورت حال اور ہر طرح کی سماجی اور تہذیبی مشکلات کے حل کی طرف ان کی نظموں اور غزلوں  
میں بعض اشارے ضرور مل جاتے ہیں۔

علامہ اقبال نے ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے تھے، جب سر سید احمد خان کی قومی ورثاتی خدمات کا سلسلہ  
ترویج ہو چکا تھا۔ ملی گدہ میں مدرسہ اعلیٰ علم اور اس کے بعد محمد انیسٹو اور نیشنل کالج کا وجود عمل میں چکا تھا،

۔ انہیں قبر کے پاس سناؤ۔ مسرور شاعر نے لکھا ہے کہ: ”سید کی قبر میں سناؤ۔“  
 (”سید کی لوحِ تربت“ کے حوالے سے)

اور ”سید کی قبر میں سناؤ“ ایک اقبال کے شعر کی سب سے بڑی ترقی ہے۔ ایک میں ”سناؤ“ کی بجائے ”سناؤ“  
 اقبال کے شعر پر ”سید کی قبر میں سناؤ“ کا اثر پڑتا ہے۔ پھر یہ کہ قبر کی قبر میں سناؤ کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۰ء  
 میں ”سید کے کات“ وایب یونیورسٹی کی حیثیت بھی حاصل ہوئی تھی۔ ان تمام اہم سرکاریوں سے اقبال کا غیر  
 معمولی دور یہ متاثر ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھ کر کہ وہ خود بھی ملکِ اسلام کے زوال کے غم کی سب سے  
 حد تک میں مصروف تھے۔ ان کا تحقیقی متن۔ اسی حد تک ڈیو کا نمونہ تھا۔ اس دور کے شعر کے تحت کے طور  
 پر، مدد قبر کی دو نظموں ”سید کی لوحِ تربت“ اور ”طبیب“ میں سناؤ کا جگہ کا جگہ میں ”سید کی قبر میں سناؤ“ کا اثر  
 اور امتداد دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں کہ یہاں اقبال کی نظم ”سید کی لوحِ تربت“ پر بحث ہے اس لیے سب  
 سے پہلے ”لوحِ تربت“ کی معنویت کی طرف یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اس طرح ”سید کے خیمے“ و  
 قصور رات کو مدد اقبال نے اس طرح اپنا دیا ہے کہ اقبال کی رہنمائی میں ہی مدد کا ”سید“ کو دے دے  
 مدد دراصل ”سید احمد خان کی زندگی کا حاصل تھے۔ اس طرح گویا یہ ”سید“ کی قبر کی قبر میں سناؤ کے  
 اور زبانِ حق سے ”سید کے مدد کو سامنے لانے کے مترادف بن جاتی ہے۔ اس نظم میں شاعر و مستقیم کی  
 حیثیت اس طرح تبدیل ہو کر دو ہو جاتی ہے کہ نظم ”وڈ بہر حال مدد اقبال رہتے ہیں“ و مستقیم کے طور پر ”سید  
 مدد خان کے قصور رات اس نظم میں گونجتے ہوئے نظر آتے ہیں۔“

یہ نظم چار بند پر مشتمل ہے، جس کا پہلا بند، یوں تو ”مرغِ باں“ کے ہمارے نفس میں ”سید“ و ”مرغِ باں“ کے  
 طائر کے نفس میں، ”سید“ کو دے دے بعد کے شعر میں ”اس چمن کے نغمہ چو باؤں کی آواز کی“، ”دکر کر کے  
 انسانی وجود کے لیے مرغِ باں ”سید“ اور نفس کے ستاروں کے نور بعد آواز کی کا ”سناؤ“ کی حیثیت یہ ”سناؤ“  
 ہے اور تضاد کی اس صنعت سے شعر کی ہنرمندی کا بھی ثبوت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر یہ کہ ”سید“ کی  
 تھی ”سناؤ“ کی وہ محفل ہے یہی ”اور“ ”سید“ و ”سناؤ“ کی کھیتی کا حاصل ہے یہی ”سناؤ“ کی قبر میں ”سید“ کے  
 ”سناؤ“ کی مدد کو نمایاں کر دیا ہے۔ یہ بند میں ”سید“ کے شعر کے مزید اس بات کو مستحکم کرتے ہیں کہ یہ شاعر  
 بیان سنانے کے بجائے ”سید“ کا مافی السیر میں جاتا ہے، جو گویا کہ ”سید“ کی تربت پر کندہ تحریر کے مدد ”اور“ کو  
 نہیں معلوم ہو سکتا۔

سب تر بیت نے مرا اثر دیدہ تحریر دیدی چشمِ باہن سے ذرا اس لوح کی تحریر کیجی

”نہیں قبول کیا۔“ مسرہ کے، ہے۔ اس پر روایتی کمی اقبال کی سرمنی علی و رشتہ مسائل  
 (”سید کی لوح تربت“ کے حوالے سے)

پہلے بند کی پیش بندی اور ہول سازی کے بعد دوسرے قیاس اور جوتے بند میں مدد اقبال نے براہ  
 راست عربی قلم اختیار کیا ہے، جس میں مٹی سے مٹی سے کام لیا گیا ہے۔ وہ انش و روانہ سیرت سے  
 زیادہ مدد سے بند میں، یہی تعلیم کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ وہ تعلیم کے معاملے میں مذہبی تعلیم کے ساتھ  
 جدید مادی اور نیادی امور سے نئی نسل کو باخبر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم یہاں بھی شاعر کا شاعرانہ  
 کردار اس سے انحراف دیتا ہے۔ اس کا حال ہے کہ دین اور دنیا کے تمام متصادفہ رنگیں یہاں ہم آہنگی بھی  
 پیدا کی گئی ہے۔ یہاں تعلیم دین کے ساتھ ترک دنیا سے اجتناب و اصل موازنہ اور تقابلی صورت حال کو  
 بھی نمایاں کر رہا ہے۔ اس سے بعد کے اشعار میں خواہ مذہب ہو یا مسلک، فرقہ ہو یا گروہ اور علاقہ ہو یا  
 نسل، سرسبز ترقی سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور فرقہ پرستی کو ہنسنے جیسے اغتشا اور  
 افراتفری کا پیش خیمہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح ”گے کے شعر میں اتحاد و اتفاق اور رواداری کا سبق“ وصل کے  
 سباب پیدا ہوں تری تحریر سے ”اور“ دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تحریر سے ”جیسے مسرعوں کی مدد سے یاد  
 دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال چوں کہ تیزی سے بدلنے والی سماجی و سیاسی صورت حال میں یہ کھنسنے  
 میں حق بہ جانب نظر آتے ہیں کہ فرقہ بندی میں درحقیقت شدت اور کثرت پر کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں  
 اور کسی مشترک کلچر میں اس نوع کی شدت کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ علامہ قبال ایک بیدار مغز اور دور، اندیش  
 و دانش ور تھے، انھیں بخوبی اندازہ تھا کہ مستقبل میں ہمارے معاشرے کے لیے، دین و دنیا کی تفریق کا معاملہ  
 ہو یا کثرت پرستی کا معاملہ، دونوں ہی نئی نسل کے لیے مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس معاملے میں انھیں  
 زیادہ فادہ کی نسبت نظر اپنانے کی ضرورت ہے۔ یہ رویہ اختیار کر کے وہ آگے پیش آئے والی صورت حال میں  
 اختراعات کے بے گنجی کا تدارک بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس بند میں انہوں نے اپنے ستاذ معنوی  
 مولانا حالی سے دین و دنیا کے شعرا کے برائے وصل کرانہ مدد سے برائے فصل کردن آمدی کی تعبیر ان  
 عہد میں پیش کر دی ہے کہ۔

وصل کے سباب پیدا ہوں تری تحریر سے دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تحریر سے

اقبال بحیثیت شاعر دراصل اپنی تہذیب سے گہرے طور پر وابستہ رہنے کے ساتھ زمانے کے  
 نئے تقاضوں سے ہم آہنگ رہنے کی تحریک بھی پیدا کرتے ہیں، اور یہ بات بھی واضح کر دیتے ہیں کہ



اور اس قسم کے بند پہلو۔ مصرعہ نہ ہے۔ اس لئے اسے ضرور اناہ قافی اقبال کی تخریم میں ہی تسلیم کرنا چاہیے مسائل  
 ("سید کی لوحِ تربت" کے حوالے سے)

نامر ہے کہ یہ سب باکیوں کے ٹکڑے ہیں۔ خوفِ خدا کے نالوں کے نتیجے میں پیدا  
 ہوتی ہے اس لیے اس کی خوفِ خدا کا وقتِ تبتی کی فرماں برداری سے دوسرے تمام صاحبانِ اقتدار سے  
 سب نیاز کر دیتی ہے۔ اسی بات کو خود علامہ اقبال نے ایک درجہ زیادہ وضاحت سے اس طرح بیان کیا ہے۔  
 وہ ایک سجدہ جیسے تو گرں سمجھتا ہے۔ خزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات  
 سید کی لوحِ تربت، کے بندائی میں بند میں دینی کے ساتھ دنیوی تعلیم، فرقہ وارانہ ہم آہنگی،  
 نامے ہستی، سیاسی شعور، ورجہ استہوار کی معنویت کو نشان زد کرنے کے بعد آخری بند میں اقبال نے  
 اپنے نوجوانوں سے تہلکے اختیار کیے جو اہل قلم بننا چاہتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے  
 شعر و ادب کو اپنا وسیلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس نکتہ کو بیان کرنے کے لیے شیشہء دل کا مثال جامِ جم ہونا اور  
 جس میں دل و دماغ کے ساتھ شعری، اظہار کو اس پائے تک پہنچانے کی بات کہی ہے کہ یہ کہہ جاسکے اس شاعر کا  
 قلم، بنا مخرئی تا ترکتہ ہے۔ اس کے لیے اقبال نے "ہوا گر ہاتھوں میں تیرے خامہ مجزوم" کی امیجری  
 استعمال کی ہے، جس میں اثر انگیزی کی صفت بھی شامل ہے، اظہار کی باغیت کی بھی ضرورت ہے اور اپنی  
 شاعری کے دیتے سے سننے والوں کے دلوں میں گھر کر لینے کا امکان بھی پوشیدہ ہے۔ تاہم ہاتھ میں خامہ  
 مجزوم ہونے اور دل کے مثال جامِ جم ہونے کے لیے بھی اقبال، اپنے ایک اخلاقی نقطہ نظر رکھتے ہیں جو اس  
 شعر سے بخوبی نمایاں ہو جاتا ہے کہ۔

پاک رکھ اپنی زبان، تمسیدِ رحمانی ہے تو ہو نہ جائے دیکھ تیری صدا ہے آبرو  
 بچوں کہ شعر کو خدا کا شاگرد بھی کہا گیا ہے اس لیے زبان کی پاکی اور اس کی صوت و صدا کا  
 باآبرو رہنا بھی ناگزیر ہے۔ اسی باعث آخری بند کے ٹیپ کے شعر میں اقبال نے، مقصد اور بلند مرتبت  
 شاعری کے لیے، اثر انگیز اور حوصلہ مند ہونے کی شرط بھی لگائی ہے۔ جس طرح وہ خود اپنے پیغام سے خوابیدہ  
 قوم کو بیدار کر دینا چاہتے ہیں اسی طرح کسی بھی ذہین شاعر سے وہ اسی قسم کی خواب شکن شاعری کی توقع رکھتے  
 ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاعر کی آواز حق کی دیکھی آواز ہوتی ہے جو خرمنِ باطل کو جلا کر خاکستر کر سکتی ہے۔  
 سونے والے کو جگا دے شعر کے اعجاز سے خرمنِ باطل جلا دے شعریہ آواز سے  
 علامہ قبائلی نفس کے شاعروں سے جس قسم کی نیک نیتی، اور انہی اقدار کی توقع رکھتے ہیں اس

وہاں تو ان کے پیچھے بہت سے لوگ تھے۔ ان کی سرگرمیوں سے وہ جتنے مسائل  
 اور مسائل کو حل کرتے تھے۔

کائنات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ ان سے بہت کچھ سیکھا جاتا ہے۔ ان سے ان کے لئے  
 ملت سہ ماہی کی نئی سلسلہ کواریچس مسائل کا اور ان کی ہر ایک سے یہ کہ وہ ان کی شخصیت کی تہذیب اور  
 کردار کی تربیت کی خاطر ان کی باتوں پر زیادہ توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے  
 ساتھ جدید علوم کی تہذیب کا یہ فرقہ پرستی کا یا پھر ایک مشترک فہم میں رہا۔ ان کی یہ باتیں کہ،  
 اقبال ہر جہہ تو زن اور امتدال کا پیغام دیتے ہیں۔ ان کے لئے شکرست بہت ہے جس سے بہت اور  
 جرات کی ضرورت ہے۔ ان کی ہنر پر کردار میں پختگی پیدا ہو سکتی ہے۔ تاہم ان کا مہم جوں کے ساتھ دو نیک  
 نمئی اور ان کی مقصد پر غیر معمولی زور دیتے ہیں۔ درحد سے بڑھی ہوئی طاقت اور دنیا داری کے لئے ان میں  
 بھی آدھرتی وراثی قدروں پر پناہ ضرور قائم رکھتے ہیں۔

اس میں شہر میں سید کی دوح تربت، علامہ اقبال کی ایک ایسی نظم بن جاتی ہے جس میں نودان  
 کے زمانے کا ہی پس منظر نہیں ہے بلکہ آج تک کی سیاسی اور سماجی صورت حال میں ان کے مسائل پر  
 ایک دانش ور و دراندیش فلسفی کی فکر کے مختلف پہلو چسے ہوئے ہیں۔ ان کے گہرے مسائل سے ہم  
 موجودہ مہم کے سیاسی و سماجی شہنائے میں گہرے و بڑے مسائل و مشکلات کا سامنا کرنے کا وسیلہ  
 فراہم کر سکتے ہیں۔ ان کی اس نظم کی اہمیت یہ ہے کہ وہ صریح معنویت جی۔



## عصری مسائل کا حل فکرِ اقبال کے تناظر میں

عصری مسائل کا حل فکرِ اقبال کے تناظر میں بیان کرنے سے پہلے جس اہم نکتے کی طرف ہمارا ذہن متقل ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اقبال کے فکر کا اطلاق عصرِ حاضر پر کس طرح ہو سکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اکثر وقت ساری و دشمنِ صلح کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور وہ اپنی محدود و مثنیٰ سوچ کی بنا پر ساری کو وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی قوت سے ساری سمجھ کر سے فرسودہ درکار و فائدہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن انفرادی طور پر اس طرح کے اند فکر و فکر میں ایک حد تک حقیقت کا پہلو بھی کارفرما ہے کیونکہ ساری شاعری کا ایک حصہ یقیناً ایسا ہے جو عصرِ حاضر کے انسان کی زندگی کیسے اپنی معنویت بڑی حد تک کھو چکا ہے، کیونکہ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا رہتا ہے، انسان کی زندگی نئے مسائل سے دوچار ہوتی جا رہی ہے۔ عصرِ حاضر کے انسان کی زندگی پہلے کی نسبت ان گنت پیچیدہ مسائل سے دوچار ہے۔ عصرِ حاضر تک آتے آتے انسان نے ہندو تہذیب و علم کے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ علم کا منظر نامہ بڑی سرعت کے ساتھ تبدیل ہو کر وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ آئے دن نئے نئے نظریات سامنے آ رہے ہیں۔ اس تغیر پذیر اور توسیع پذیر صورت حال کے پیش نظر سواں پیدا ہوتا ہے کہ اس دورے علمی منظر نامے میں پیدا ہونے والی تبدیلی کے باوجود فکرِ اقبال کا اطلاق عصرِ حاضر اور اس کے مختلف مسائل پر کس طرح ہو سکتا ہے؟ واضح رہے کہ اقبال کی زندگی میں ارتقاء پذیرگی کے پیش نظر خود بھی علم میں جمود کے خلاف تھے کیونکہ زندگی ہمیشہ رہا، علم کے عمل سے نڈرتی رہتی ہے۔ چنانچہ پرانے نظریات نئی توضیحات و تشریحات کیلئے رد و رد ہو کر دیتے ہیں۔ 'Reconstruction of Religious Thought in Islam' کے پیش نظر ہی میں علامہ اقبال نے یہ بات صاف کر دی ہے۔ لکھتے ہیں:

'As knowledge advances and fresh avenues of thought are opened other views and probably sounder views than those set forth in these lectures are possible.'

علم کی خواہش ہی ترقی، ماضی کا قابلِ قدر سرمایہ ہر دور میں نئی اہمیت و وفاداریت برقرار رکھتا ہے۔ بد وقت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت و وفاداریت میں تضاد ہوتا رہتا ہے۔ تاہم انسان اور اس کی مع ترقی زندگی کے کثیر پہلو ایسے ہیں جن پر مراد یا م کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ انسان کی فطرت میں کس حد

نہروں کی قس کے بہرہ ور نہ ہونے کی وجہ سے۔  
 بہرہ ور نہ ہونے کی وجہ سے۔

تک تبدیلی آسکتی ہے اس کا اثر بہت بڑا ہے۔ انسان کے تعلق سے جو کچھ ہے۔ اس طرح کے تبدیلی کے بعد اس کی  
 ریاضتیں بدلتے ہیں۔ اس کی بنیاد کی بنیادیں اور حساسات بھی بدلتی ہیں۔ اس کی  
 میں جیسے پرستار کے لئے انسان کے لئے۔ صرف ان کی تسکین و اطمینان کے لئے اس کی دیکھیں یہ  
 ہو چکے ہیں۔ اس لئے بھی نہیں پارہ، جو انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا۔ اس کے اثرات کے  
 اثرات کے لئے صرف اس کے جات اور اس کے لئے یہ وہ وقتوں کو ذکر اور قلم سے اس کے تخیلات سے بہت  
 ہو کر وہی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔

فخر اقبال کا بنیاد کی منصوبہ یہ ہے کہ انسان شرف انہو وقت سے ہونے کے لئے اس کی فطرت میں  
 نصیحت کو تحصیل کر کے اپنی غیر معمولی استعداد کو انسانی کی غیر درجہ سے بہت دور اس زمانہ  
 نہایت اہی کا فریضہ انجام دے۔ جو اسے ایک آدنی پیمانہ کی نسبت ارتقا و قیمت زمانہ کی رفتار سے ساتھ  
 بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ کیونکہ اقبال کی فکر کے سوتے قرآن کے سرچشمے سے میرا ہے اور تہ رب ہیں۔ یہ ایک  
 بنیاد کی سبب ہے کہ قلوب کا فکر نہ صرف عصر جدید سے ہم آہنگ ہے بلکہ اسے اس وقتوں کی ایک نئی دوری  
 معنویت کا حامل ہے۔

عصر حاضر میں انسان کی زندگی، انسانیت مسائل میں اس حد تک گہری ہوئی ہے کہ اس میں مسئلہ کا  
 ذکر کیجئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

زندگی کسی منہس کی قہار دیوے جہاں دور کے میوندٹ جاتے ہیں

دین سے بڑھتی فکر، انسان سے دوری اور متعدد حیات سے پیدا ہونے کے نتیجے میں انسان کے افعال و اعمال نے انسانی  
 ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر میں اس نے اپنی خود ساختہ تہوں کو کام میں آکر  
 سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں خیریت گنیزز ترقی کی ہے۔ لیکن ایک نئی ترقی انسان کی زندگی کے اصل  
 مقصد یا نیت کی تکمیل نہیں کر سکتی۔ اقبال اسلام کے حوالے سے خدا کا کلمات، اور روح کو ایک ہی علم کے  
 مختلف جز قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں، جس کو اسے ایک روحانی دنیا  
 کی خاطر، جو کسی دوسری جگہ واقع ہے، ترک کر دینا چاہیے۔ بلکہ وہ اسلام کی رُوح سے اس نفل کا نام ہے جس کا  
 انہیں رقیہ زلفی وہ کائناتی میں ہوتا ہے۔ عصر حاضر کا انسان ہدایت کی پرستش میں زندگی کے روحانی پہلو کو نظر انداز  
 کرتے متعدد حیات کو فراموش کر چکا ہے۔ ہدایت انسان کی زندگی کو بہتر سے بہتر و مسائل فراہم کر سکتی ہے لیکن  
 اسے سکون قلب کی دولت سے بہرہ مانا کرنے سے قاصر ہے۔ یہ دولت ہے بہا خدا کی خوشنودی سے حاصل  
 ہونے والی ہے اور خدا کی خوشنودی سب کی حاصل کی جاسکتی ہے جب انسان نیکی کے راستے پر گامزن ہو کر اوروں کو

نہیں تو ان کے ہر پہلو سے اس کا سراغ ملے گا۔

جی ہاں! اس کی طرف سے اس کے ہر پہلو سے اس کا سراغ ملے گا۔ اور دوسروں کو بھی اس سے باز رہنے کی تلقین کرے۔ قرآن انسان، اہل انعام و اہل عذاب، اور اہل عذاب کے لیے ہے اور خدا پرستوں کے لیے ہے۔ قرآن انسانی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کے لیے ہے، وہ بالکل نیا اور بدستور ہے۔ راجحی طور پر زندگی کے مختلف شعبوں میں ہندوگان خدا سے برسرِ پیکار ہے۔ اس طرح اس کی سب زمائیت اور شتم ہونے والی ہوں اور اس کی زندگی کے عملی مقاصد کا قلع قمع کر رہی ہے۔

پاکستان کے نامور ادیب، محقق، اور اہل سائنس ڈاکٹر تحسین قرنی کے نزدیک اقبال نے اپنے فکر کی اساس و بنیاد پر رکھی ہے۔ (۱) دینی اور ہنگامی عنصر (۲) دنیوی اور ابدی عنصر۔ قبس! ایسے عنصر کی بات کی گہری آئی رہتے تھے۔ ایک ایدہ و دستا بر فردا کی حیثیت سے وہ ہمارے عصر کے زندہ اور توانا شعور و حساس سے بھی غیر معمولی طور پر بہرہ مند تھے۔ انہوں نے اپنے نظام فکر کی اساس اسلام کے جن ابدی حقائق پر رکھی کہ اس کی ترتیب و تشکیل کا کام انجام دیا ہے وہ رنگ و نسل، زبان اور زمان و مکان کی حدود و قیود اور امتیازات سے بالاتر ہو کر آفاق گیر اور ابدی ہو چکے ہیں۔ کیونکہ:

A hundred world  
which are unseen as yet its verses hold.  
And Aeons in its moments are concealed  
encompasses this modern age believe  
if thou dost own a comprehending mind

اقبال کا اور بڑا عظیم کام کے ہندوگان کیلئے بالعموم اور ملت اسلامیہ کیلئے بالخصوص، بحران کا دور تھا۔ ہندوستان نوآبادکاری کے آہنی قبضے میں برقی طرح جکڑنا جا رہا تھا۔ ان جیسا مسلمان و نشور، انسانیت کی صاخ، قدار کا پاسدار اور یاسون، قرآن و سنت کا پابند کیونکر بڑی وی طرز حیات سے سمجھوتہ کر سکتا تھا۔ نام نہاد و نشوری سے کب وہ مرنوب ہو سکتے تھے۔ اس کے دم میں آنے کا تاوان ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا نظام فکر صحیفہ کائنات قرآن مقدس کے ساتھ ان دین نبوی اور حکمت باختر سے ترتیب و تشکیل پایا ہے۔ وجود باری پر ان کا نہایت راسخ تسلیم و ایمان ہے۔ وہ حیات انسانی کی خدائی و روحانی اقدار کی برتری پر یقین محکم رکھتے ہیں۔ وہ عام انسانیت کے امن و آشتی اور خیر و مساوت کے نہ صرف متشی اور پیغامبر ہیں بلکہ اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی راہ بھی وہ دکھا چکے ہیں۔ وہ انسان کو مقسود کل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انسانیت کے علمبردار و در ترجمان کی حیثیت سے انہوں نے ان نوآبادکار قوتوں کے ہاتھوں امن و امان کو در پیش سرِ عظیم سے دنیا کو آگاہ کیا۔ یہ نوآباد



مجلس اقدس - مدرسہ اسلامیہ عربیہ اسلامیہ کالج

مشرّب تھے۔ انہیں یاد ہو گیا، ہر کی ۱۰۰ بار اذیتوں اور تشویر کے باشندگان ہاتھی ایسی قوتوں کے ہاتھوں پر ہریت کا شکار نہ ہو یا جنہیں تہذیب یافتہ، ترقی یافتہ، روئندہ کی مرہمت دینی رکھنے کا دعویٰ رہا ہے۔

حکومت قبول اس مسئلہ نہ بن اور بربریت کا بد باب انتریم دوستی میں تہمتیں مارتی ہے۔ یہ دنیا اس وقت تک منظمی جانوروں کا آکھڑہ ہی بن کر رہے گی جب تک نہ نوح انسان کی تقسیم و حرمت کیسے دنیا جہر کی سلسلے قوتیں سرزمین منظم ہوں۔ اسپین کے اوٹو، یف نسل، یف قومیت، یک زبان اور ایک مذہب رکھنے کے باوجود Economic Creed میں تفریق یا امتیاز کی بات پر یک دوسرے کا ٹکڑا کر پنی تہذیب و ثقافت کو اپنے ہی ہاتھوں تباہ کر رہے ہیں۔ یقینی قوی وحدت کو بھی قبول کسی پائیدار قوت سے تعبیر نہیں کرتے۔ ہاں اب اگر کسی قوت پر قہاویہ جبر سے کیا جاسکتا ہے تو وہ قوت، خوت انسان کی قوت ہے جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان کی تمیز سے، مرتبہ۔ جب تک اس حقیقت کا عملی منتہا نہ کیا جائے کہ یہ دنیا خدا کا عین ہے، جب تک نسل، رنگ اور نفع و فائدہ کی قومیتوں کے امتیاز و فتراق کا مکمل طور سے خاتمہ نہ کیا جائے، انسان خوشیاں درآسودہ و صحت مند کی بسر کرنے کے بل بوتے نہیں ہو سکتا و بر حریت، مساوات اور خوت منظمی طور پر قوت میں نہیں آسکتی۔ پوری دنیا میں انسان اور نوح انسان کی ابتداء و توحید کے میں نغمہ فنیات انسان کے علمبردار سلامہ قبول بغیر کسی رنگ و نسل، ذات پات اور تفریق کے انسان کو انسان کی تقسیم و حرمت کا یقین دیتے، دے کہتے ہیں۔

آدمیت      احترام      آدمی      پانہر شو      از      مقام      آدمی

بیتہ نہ سزاوں متم دوم ست

ابن کے انتقال کے بعد زشتہ ضلّیل مرحّصے سے عالمی آغ پر انسانوں کو بے انسانیت کا شکار کر دیا۔ مسکسل تہ پر پا کر رہا ہے۔ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دونوں ملک میں انسانی قدر و ہر صواو کی پامالی اور بے حرمتی کا سلسلہ پہنچتے زیادہ شدید کے ساتھ برابر جاری ہے۔ سرمایہ دارانہ مکتبہ ختم ہونے والی زیادتیاں دنیہ میں زندگی کی مرکزیت اور اس کے اصل مقصد کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہیں۔ مغرب جیسی ترقی یافتہ سوسائٹی میں ہوس، ہارٹی، دولت کی ریل ریل، نفس نفسی و سر دہری کے روز افزوں رجحان نے انسان کی زندگی کو اجیران بنادیا ہے۔ خانہ خوں کا تیرازہ بکھر کر زمیں بوس ہو چکا ہے۔ حقایق کی ترح میں آتے دن غافلہ ہو رہا ہے۔ ولیدین و درویش کے درمیان رشتے میں ضعف بڑھ چکا ہے۔ انسان و انسان کے درمیان اجنبیت یا غیریت کی لمبی دیواریں حائل ہو کر رہی ہیں۔ ہر شخص دنیا کی گھٹا جس بھی خود کو تہب محسوس کر رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ مکتبہ خوں نے اہل امیر تر از اہل رب و رب تر ہو تا رہا ہے۔ یک سردے کے مطابق دنیا کی دولت کا ساٹھ فیصد حصہ صرف پانچ فیصد لوگوں کے پاس ہے۔ یہی وجہ ہے دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ غربی و ناچکی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور

فرمانِ قرآن کے چند دہانے۔ مسرور مسرور ہے۔ جسے مسرور ہے۔ مسرور ہے۔ مسرور ہے۔ مسرور ہے۔ مسرور ہے۔

ہے۔ جبکہ کائنات کی تمام چیزیں جو انسان کے تصرف کیلئے مسما کی ہیں انہیں انسان نے اپنے تئیں متاثر کر کے  
کے مرکز پر پائی شیعہ، انہوں نے مارکس نے ارمی سیت، denuman se، روپا ہے۔ وہ شیعہ کے تئیں  
نسان کے اس بار پرستانہ رویے کے تحت دست آگاہ کرنے کے بغیر انسانی عقل کی کہاں تحت مٹی است کرتے  
ہیں۔ خواہ سے باہر و داخل کی سے وہ نہ حاصل کیا جائے۔ سرمایہ داری کی ٹائٹ سے باہر وہ آخر کیت کو  
عرفت عقیدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ مسما کے حکم کے ساتھ ساتھ روح کی خدا کے تئیں ہیں کی ایک متاثرہ موجودہ شیعہ  
وجود میں آسکتا ہے۔ انہوں کے معاشی صورت کے ہیں پست مسما کا شرک اور زندگی کے تئیں انہوں نے  
اور نہ تصور کا فرما ہے۔ ایک بیت میں شیعہ کی آگاہ ت کرتے ہیں۔ ہر مسما کے تئیں ہوتے ہیں۔  
مستفاد ہو جس میں کوئی کسی کا محتاج نہ ہے۔

No one should be a destitute in this world

This is, indeed, the focus of the divine law.

انہوں نے مسما کے انسانی کی اخلاقی ترقی میں مغرب کو سب سے بڑی رکاوٹ دیتے ہیں، انہوں نے  
حیاتِ انسانی میں تین چیزیں اس کی اہمیت پر خاص زور دیتے ہیں

1. A spiritual interpretation of the universe.
2. Spiritual emancipation of the individual
3. Basic principles of a universal import directing the evolution of human society on a spiritual basis...

قبل مٹی سٹار پر رونما ہو رہے ہیں اور عقل کے حل و اسباب پر نہایت غمیت غور و فکر کرتے ہوئے مسما کے  
نسان کے تمام مسائل کا سدباب کرنے کیلئے دینِ اسلام کی سرمدی تعلیمات کو وسیعہ بنا چکے ہیں کیونکہ اسلام  
سما کی کا دین ہے جنہوں نے انسان و پھر ان کے تئیں فراہم کرتا ہے اور غیر، ہم ہوتے ہیں کائناتِ انسانی کی  
خدمت کی نبی ماری مسلمان کے سیرور کی ہے۔ اسلام ستر مہمیت پر خاص زور دیتا ہے۔ انہوں نے  
کافی شاعر ہوتے ہیں کہ انہوں نے حرام و حلالیت و تہذیب کی نہایت زیادہ دیتے ہیں۔

قرآن و روا سے دینِ انسان قوم واحد ہے۔ مختلف گنہوں و قبائل میں انسان کی تسمیر اور روا  
ہندی مذہبوں و رنگ و نسل کی بدقسمتی سے اس کے برتر یا فرد و ترمیم کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ فتنہ معرفت یا شناخت  
کے لئے سب سے بڑی کا مہیا صرف تقویٰ ہے۔ خدا رب اعلیٰ میں در اس کا تئیں رحمت لعل لین ہے۔ خدا ہم  
کش اور زمین پر فتنہ و فساد برپا کرنے سے انسان کو قوت سے منع کرتا ہے۔ ایک نسان کا قتل دینِ انسان کا قتل ہے اور  
ایک نسان کی زندگی دینِ انسان کا قتل ہے۔ تمام انسانیت کی محافظت کرنے والے۔ یہ فتنہ اسلام کے لئے

مذہبوں کے لیے یہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہے۔

کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے خیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اللہ کے دیکھنے پر آمادگی ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہے۔

فکر، اقبال کا یہ سیدھا سادہ اور بے غش و غبار ہے کہ ایک ہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقبال آخر چاہتے ہیں کہ اس میں کیا سیدھا سادہ سب سے بڑا نکتہ ہے کہ نوح، انسان کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر اقبال جیسے انسان اور دردمند انسان خدا کی اس زمین پر ایک صباغ اور برتر معاشی کی تشکیل نو کے آرزو مند تھے اور ان کے انسان نہیں تھے۔ اسلام کے اہل اصولوں پر رکھی ہے۔ دراصل denhumanization دنیا میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کی جڑ ہے، انسان مقصود کل ہے اور جب اس مقصود کل کو خیر انداز کیا جائے تو اقبال قرآن کے زیر اثر اپنے تحقیقی سفر کی ابتداء سے نیکو کے اختتام تک اسی انسان کو تہ رہن ارتقاء کے ذریعے اپنے اصل مقصد تک پہنچانے کیلئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ انسان اور حیات انسانی گہری معنویت کی حامل ہے۔ چونکہ انسان کو شرف المخلوقات کے عظیم مقام سے نوازا گیا ہے، اس لئے ملامت فرد کو خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے۔ متعدد کو پہچاننے والے قانون الہی کے تابع کر کے نوح انسان کی فلاح کیلئے بروئے کار لائے گئے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں۔ فرد اپنی خودی کو جماعت یا ملت کی خودی کے ساتھ مربوط کر کے اسے آباد اور بقا دہا کرے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

ملت از افرادی یا بد نظام

قطرۂ وسعت طلب، قلمزم شود

فردی گیر از ملت احترام

فرد تا ندر جماعت گم شود

جماعتی خودی سے فرد کی خودی اس طرح محکم ہو کر سنورتی ہے کہ تمام افراد اپنے اپنے وجود کو با معنی سمجھ کر خود کو اس زمین پر شناخت الہی کا میں سمجھتے ہیں اور تمام طرح کے امتیازات سے بالاتر ہو کر نوح انسان کی خیر اور نین کی سرفروزی کو اپنا مقصد حیات گردانتے ہیں۔ اقبال اس دم کے مقصود و منتہا کے پیش نظر دنیا میں روحانی جمہوریت کا قیام عمل میں لانے کے متمنی ہیں۔ روحانی جمہوریت سے ان کی یہ مراد ہے کہ کربانوں پر ایسے کم و بیش مشائی افراد کے ذریعے جو زمین کے سب سے بڑے مآدرا اور مشائی فرد کے تابع ہو کر خلافت الہی کا قیام عمل





## اسلامی تہذیب کا انحصار اخلاق اور فکر اقبال

### ایک مطالعہ

ذکر مستحق حمد گمانی

تہذیب سے مراد انسانی دل و دماغ کی آرائش ہے۔ اسلامی تہذیب سے مراد کسی ایک ناص قوم کی تہذیب نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی سائنس ہے کیونکہ اسلام کا اصل مقصد سماجی اور انسانی ہم کایہ مثل میں لانا ہے۔ اس لحاظ سے اس تہذیب میں کوئی اختصاص (Speciality) نہیں ہے۔ اسلام ایسے نظام تہذیب کا متقن ہے جو انسان کی شخصیت کو گہوارے کے لئے انفرادی و اجتماعی سطح پر مخصوص اصول و ضوابط وضع کرتا ہے تاکہ انسان تخلیقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ بن کر اللہ کی نجات کا فریضہ انجام دے سکے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت بھی مکارم اخلاق کی حیثیت سے ہوئی اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”بعثت اتم حسن مکارم الاخلاق“ یعنی مجھے مکارم اخلاق بن کر بعثت کیا گیا۔

صحابہ کرامؓ نے جب حضرت مائتہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو انہوں نے بر جستہ فرمایا کہ ”کان خلقہ قرآن“۔ فرمایا کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے حضور ﷺ مجسم قرآن ہیں یعنی قرآن مقدس کی اخلاقی تعلیمات کے حقیقی آئینہ و رہنما پر نور ہی کی ذات پر برکت ہے۔ اس لئے اسلام کے تمام علمی، دینی اور فنی ذخیرے اسی اخلاقی قیود و ضوابط کے پابند رکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں اسلام کے ان منابع (Sources) سے ہر انسان نے بغیر کسی نسلی، تہذیبی، مذہبی، یا لسانی حد بندیوں کے فیوض و برکات حاصل کی ہیں۔

بہترین اخلاق نہ صرف زندگی کا آگے کا رہی بلکہ جزو الایمان ہیں اور سدوم چونکہ دین فطرت ہے لہذا اخلاق اس کے بطن سے پھوٹا ہے اور غیر مسلم اقوام و ملل نے ماضی میں اس سلسلے میں اسلام ہی سے فائدہ اٹھا کر کے کامیابی حاصل کی ہے۔ دراصل پئے اسی اخلاقی اصول و ضوابط ہی کی وجہ سے اسلامی تہذیب و تمدن حنف سے زائد دینی پر ایک محدود وقت ہی میں حاوی ہو گیا۔

سلامت قبل چونکہ فکر اسلامی ہی نے تہذیب اسی رہے ہیں لہذا آپ کے بیشتر اردو اور فارسی کلام کے علاوہ



یہ دینی و مہربانی و شہادتی و فدیہ کی کیا سمجھ ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات  
 وہ قوم کے فیضانِ شہادتی سے بہرہ مند      حدس کے کمالات کے برقی وینڈرست  
 مغرب کی مادی تہذیب اور اس کے سپرد کردہ مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے اقبالؒ ”خطبات“ میں کہتے  
 ہیں:-

”مسرحِ شہر کی ذہنی سرزمینوں سے جوتاج نکلتے ہیں ان کے زیرِ اثر انسان کی روح مردہ  
 ہو چکی ہے۔ اس کا وجود خود اپنی ذات سے متصادم ہے ورنہ یہ اعتبار سے افر دہا ہم  
 دست و گریباں ہیں“ صحیح

علامہ کے نزدیک اخوتِ انسانی کی تعمیر مادی و معاشی مساوات پر ممکن نہیں بلکہ اسکے لئے قلبی محبت، انسانی  
 احترام و معنوی و روحانی بنیادوں کی اشد ضرورت ہے۔ اسی لئے آپ کارل مارکس کے نظریہ کو بھی باطل  
 قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا تم مفلسہٴ حیاتِ نفس کے ارد گرد گھومتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں:-  
 غریبوں گم کردہ اند فلک را در شکم جو بند جان پاک را  
 رنگ و بو ز تن ٹیلرد جان پاک جز بہ تن کارے ندارد اشتراک  
 دین آں پیغمبر حق تا شناس بر مساواتِ شکم دارد اساس  
 تا اخوت را تمام ندر در است پنج او در دل، نہ در آب و گل است صحیح  
 علامہ کے خیال کے مطابق یورپی تہذیب و تمدن کے برعکس اسلام کا فلسفہٴ اخلاق پوری نوعِ انسانی  
 کو اللہ کا کعبہ تصور کرتا ہے۔ دین اسلام پر ہے نوعِ انسان کے اتحاد و اتفاق کا داعی ہے۔ اس بے نظیر تصور  
 اخلاق کے بموجب تمام انسان باہمی ظہد، محبت و ملت، رنگ و نسل، نفس، تحفظِ ذات اور روحانی اختلافات کی  
 اعلیٰ قدروں کے برابر حقدار ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے مفرد تصورِ خودی کی جو صفات بیان کی ہیں اُن کو  
 اپنے سے انسان دراصل اعلیٰ اخلاقی مراتب پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی لئے آپ ارمغونِ تبار میں کہتے ہیں  
 کہ:-

مسدود از خودی مرد تمام است      بختش تا خودی میرد تمام است  
 اُر خود را محتاج خویش دان      نگاہ جز بخود بستن حرام است صحیح



انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کو اللہ کے سامنے پیش کرے اور اللہ کی رضا و رغبت حاصل کرے۔

حق کی منزل ہے وہ عشق کا محل ہے وہ۔ ملتہ عشق میں نغمہ گس ہے وہ۔  
حق ساری اور مرد رساری کی تیسری اہم شرط ہے اقبال فتنہ دہا دیتے ہیں۔ فتنے مراد فتنہ و مسکینی کے نہیں بلکہ فتنہ استغناء و ربانیت ہے۔ مردی و مہل نہ ہوں کہ نہ کیا ہے۔ ورا رہوں تو رہا دو  
نی ہوں نہ کی جاے۔ مددہ قہاں فتنہ کی قرینہ میں یوں رہب اللہ کی ہیں۔

انہ ذاتی، عشق، تسلیم، رسالت، ما استقیم یں متاعِ معنوی است  
فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات بندہ از تاثیر او مولا صفات  
مرا نہ بہتر ہے سندری سے یہ آدم نری ہے وہ آئینہ ساری  
خدا کی ہر محکم و مستحکم بنانے کے سے ایمانیات پر یقین بازی ہے۔ شک و شبہ دشمنی سے مبرا مونا ضروری  
ہے۔ وہ اپنی شہیت اور ضیافتِ دانش ہونے پر یقین و قوت حاصل کرتا ہے۔ اس نے اقبال یقین محکم پیدا  
کرنے کیلئے ایک مسلمان کو یوں تلقین کرتے ہیں۔

خدا سے مریزل ہا دست قدرت تو زباں تو ہے یقین پیدا کرے نہ نفل کہ غروب گس تو ہے  
یقین محکم کے متاع سے ہمیں یوں آگہی دلاتے ہیں۔

عالمی میں نہ کامرتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں ہو ہوا و قہقہہ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں  
اس طرح ہر ایک فرد مذکورہ بالا خوبیوں سے آراستہ و چراستہ ہو جاتا ہے تو اس کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ  
ہر ایک میں در قوم سے اس کا تعلق پیدا ہو جائے تو اسے بھی ایسے جماعتی اخلاق سے راستہ کرے کہ وہ امن  
و سکون اور آرام و راحت کی زندگی بسر کرے۔ علامہ نے جہاں ایک فرد کو اس کام کی ترغیب دی ہے وہیں وہ  
رہنما و ہدایت بھی دیتے ہیں جن سے ملت کی تشکیل نو ہوتی ہے اور یوں ایک بہترین امن پسند معاشرہ وجود  
میں آتا ہے۔ اس لئے وہ ایک فرد کو اپنا یہ فریضہ یاد دلاتے ہیں کہ

فرد کی نعم رجا ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں مومن ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں  
ملت کی ہر تمام بخشی کیسے وہ بنیادی دینی اصول اقبال کے یہاں وضع کئے گئے ہیں۔ ایک توحید و دوسرا  
رسالت۔ توحید سے ایک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ مسیحا رسالت سے حریت، مساوات و اخوت  
وجود میں آسکتی ہے۔ ملت کے لئے ایک مکمل آئین ہونا چاہئے اور ملت اسلامیہ کا آئین

عمر کی عمر نہ ہو۔ عمر نہ ہو۔ عمر نہ ہو۔ عمر نہ ہو۔ عمر نہ ہو۔

(Constitution) قانون تنظیم ہے جس سے کہ میں چلی آتی ہے جس کا بہترین نمونہ رسالہ کریمہ منشیہ کا مباحثہ ہے اور اس کے تحت آئین حکیم کے درجے تقسیم کی گئی ہے۔ اس کے تحت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر چہ سیدہ و سیدہ الاولاد و سیدہ کے لئے احکامات ہیں۔ اس ملت کا مرکز کعبہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ کہ وہ اپنی فرائض و شعائر کو اپنی ملت کی تنظیم کے لئے حریت، مساوات و اخوت ضروری ہے جس سے امت محمدیہ اتحاد و اتحاد ہے۔

گویا اسلامی نظام معاشرت اخلاقی طور پر تین بنیادی وسیع اصولوں پر مبنی ہے۔ پہلا اصول تو انسانیت "Human Solidarity" ہے۔ دوسرا اصول مساوات ہے یعنی Equality۔ تیسرا اصول حریت فکر و عمل یعنی Freedom of Thought and Action ہے۔ پہلا ملاحظہ کے نزدیک اسلام میں روحانی و مادی دنیا الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں ہیں۔ یہ درست نہیں ہے کہ دین و دنیا میں دو مختلف چیزیں ہیں۔ اسلام ایک ایسی وحدانیت ہے جس کا تجزیہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام روح اور مادے کی ثنویت کو نہیں مانتا ہے نہ ہی سیاست کی طرح چرچ کی حکومت میں یقین رکھتا ہے بلکہ عالم کو ایک ہی حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ یا مسلمانیت اسلام کے منسوس تصورات کی رہنمائی دیتی ہے۔ علامہ اقبال کی پس منظر میں توحید اور سیاست کے باہمی تعلق کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے خطبات میں کہتے ہیں:

ج

'The essence of "Tawhid" as a working idea is equality, solidarity and freedom. The State, from the Islamic standpoint, is an endeavour to transform these ideal principles into space-time forces, and aspiration to realize them in a definite human organisation.'<sup>7</sup>

درج بالا اقتباس سے یہی حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ علامہ واضح کرتے ہیں کہ توحید کے اساس میں تین اصول ہیں یعنی اتحاد انسانیت، مساوات اور حریت۔

علامہ اقبال یہاں مسلمانوں کے اتحاد کے بجائے اتحادِ انسانی پر زور دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں مذہبی رد و ردی کا وسیع تصور ہے کیونکہ ان کے نزدیک "اسلامی نظام حکومت نہ

مذہب اقبال کے ذریعہ جو مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور یہی مذہب تمام مذاہب اور اقوام یکساں ہے۔

مذہب است ہے، نہ ملائکت سے نہ رشتہ کر سکتی ہے اور نہ ہی تھیو کریسی بند ایک ایسا مرکب ہے جو ان تمام مذاہب سے متصف اور قباحت سے منزہ ہے۔ آپ کے نزدیک قرآن مسلمانوں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کا تحقیر کریں، یعنی قرآنی تعلیمات کے مطابق ضرورت پڑنے پر غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ غور طلب معاملہ یہ ہے کہ جس وقت اقوام مذہبی رواداری کے پس منظر میں اتحاد انسانیت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی ریاست جہاں مسلمانوں میں واثقہ اک ایہانی ہو اور میر مسلم اقلیتوں کے ساتھ شراک و ملتی کی بنیاد پر رشتہ استوار ہونا چاہئے۔ ہندوؤں کے نزدیک شراک ایہانی اور شراک و ملتی کی بنیاد پر ہی تو اتحاد انسانیت قائم ہو سکتی ہے۔ علامہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "اسلام تو مجھ پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی بھی حفاظت کروں"۔ اس بارے میں ان کے اپنے الفاظ یوں ہیں:

'I entertain the highest respect for the customs, laws religious and social institutions of other communities, Nay, it is my duty, according to teachings of the Quran even, to defend of their places of worship if need be.'

سے قرآن تریف کے سورہ انجیل آیت نمبر ۴۴ سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَسُوِّدَارِوَعِ اِسْمَہٗ سَاسِ عَقِیْمِ بِمَعْنٰی لَہْدِ مَتَصَرِّعٍ وَّ بَعِی وَّ صِلَوَاتٍ وَّ مَسْجِدٍ بِدَکْرِ فِیہِا  
مَسْجِدٍ مَّہٗ کَسْرًا "اگر اللہ دُوروں و ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خائف ہیں اور گر جا گھر اور  
معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب سہار کر ڈالی جائیں" ۹

آیت مذکورہ میں مسجد کی صراح سب سے آخر میں آئی ہے۔ پہلے عیسائیوں کے کلیسا کا ذکر ہے۔ پھر  
یہود کے عبادت خانے کا ہے، ذفقہ کا ہے اور مسجد سب سے آخر میں آئی ہے۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید کے  
مستحق نامہ طور پر ابتدائی ایام کے فقہاء اس آیت کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں صرف اہل کتاب  
ہی شامل ہیں جن کی حفاظت کرنا مسلم ریاست کا فرض ہے لیکن جب ایران فتح ہوا تو فقہ نے پارسیوں یا  
زرتشتی مذاہب کے ماننے والوں کو بھی اس تحفظ میں شامل کیا اور ان کے عبادت خانوں کی حفاظت کی۔ ان  
کے لئے اصطلاح وضع کی گئی "کشل اہل کتاب"۔ یہی صورت ہندوستان میں ہوئی۔ جس وقت ہندوستان





میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ اور یہ سب کچھ دیکھ کر میں نے یہ سوچا ہے کہ اس وقت تو امر نسائی کیسے سب سے بڑی نعمت سلام ہے اور جو شخص مسلمان

ہو، اس کا فرض ہے کہ قویٰ قسب کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصتہً اللہ اپنی زندگی میں ایک عملی انقلاب  
 یہ کہ اس درپردہ قوت رکھتا ہے تو اپنی بسااہ کے مطابق اسام کو بچنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ  
 قوت سانی قدم قدم سے نبات سے نبات پاس لے لے

اس لئے کہ سلام کی نعمت میں ہم حیثیت سے اخلاق و آداب اور تہذیب و شہنشاہی کی اعلیٰ مثالیں  
 موجود ہیں جو کہ بہترین نمونہ حیات کی برتری ثابت کرنے کے لئے کافی و شافی ہیں۔ ہذا صلہ کے  
 نزدیک اسلام میں مملکت وحدت آفرینی کی کوشش اور روحانیت کو مکی پامہ پہننے کا ایک نہایت ہی کارگر  
 وسیعہ ہے۔ انہیں اس حیثیت پر ایمان کامل ہے کہ سلام نے ہی رسول رحمت ﷺ کے ذریعے توحید کامل کا  
 نہایت ہی واضح تصور پیش کیا تاکہ اقوام عالم کے امراض کا علاج ہو سکے۔

## حوالے و حواشی

۱۔ آیاتِ اقبال (دوری) (دوسری بار) (قلم شرقی) (نئی دہلی) ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۳ء ص ۶۲۶

۲۔ آیاتِ اقبال (۱۹۷۱ء) (بال جوش) (مرکزِ ادبی و ثقافتی) (نئی دہلی) ۱۹۹۱ء ص ۳۲

۳۔ خطباتِ اقبال (عربی) (کتاب باون بجی) (۱۹۷۳ء) ص ۱۲۰

۴۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ) ص ۶۵۲

۵۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (ارمغانِ حجاز) ص ۹۶۹

۶۔ سورۃ (الحزب، آیت نمبر ۲۱) (ترجمہ) (حقیقتِ قرآن) کے مترجمین میں ایک مترجم محمد

قاسم افسر کے ہے جو زندہ اور پورا آخرہ امیدوار اور جو کثرتِ مائدہ و یادگار ہے۔ (ترجمہ، دور

سید بولائی، مودودی فی ترجمانِ قرآن) آیتِ ہر جمعہ، ترجمہ، سید بولائی، کیتھولک سید بولائی، پبلسٹر

۵۲۰

۷۔ خطباتِ اقبال (امریزی) ص ۵۴۱، سب باون بجی، ۱۹۷۳ء

۸۔ سہ اقبال کی تحریر، تحریرات و بیانات (امریزی) (مرتبہ) (سید احمد تیرہوی) اقبال، ۱۹۷۱ء

پاکستان ۲۰۰۵ء، ص ۹۔

۹۔ ترجمہ، خود رسول، سید بولائی، مودودی فی ترجمانِ القرآن، ص ۱۲۱، آیتِ ترجمہ، شانِ بولائی، سید

حیدر آباد، اپریل ۲۰۱۱ء ص ۳۳۹۔

۱۰۔ خطوطِ اقبال، ص ۱۶۳ (مشمولہ) اقبال کا ذہنی ارتداد، کنگرہ، مہینہ، شکر، اسلامک بک فونڈیشن،

نئی دہلی، ص ۹۹-۹۸۔

- 
- Iqbal Javed 2008 *Zinda Rood Aalamia qool Ki Mukammol Sawaneet Hayat*. Sang-e-Meel Publications.
  - Ibrahim Sameer Abdul Hameed (2001) *Iqbal O Devan Armiq'aa Hiyaz Hadayat Ullah*, Iqbal Academy Pakistan
  - Iqbal, Dr. Sir Muhammad (1924) *Bang-e-Dora* Sheikh Mujarrat Ali, Lahore, Pakistan.
  - Iqbal Afzal (2005) *Moulana Rumi Hayat wa Afkar*, Farid Book Depot Delhi
  - Imam Ibn Katheer, *Stories of the Prophets*, (Eng Trans by Muhammad Gemeiah) Islamic book service
  - Irfani Khawaja Abdul Hamid (1976) *The sayings of Rumi and Iqbal*, Bazme Rumi Lahore, Pakistan
  - Iqbal Muhammad, 2007 *Javid Nama* Lahore Iqbal academy Pakistan
  - Khan Mohamad Abdul Salam (2011) *Afqa'ar-e Iqbal Mastaba* Jamia, New Delhi
  - Munawwar Muhammad (2003) *Iqbal Poet Philosopher of Islam*, Lahore, Iqbal academy Pakistan
  - Naqvi Noor, Hassan 2010 *Iqbal Fan aur Falsafah* Educational Publishing House, New Delhi
  - Qaiser Nazir, (1986) *Rumi's Impact on Iqbal's Religious Thought* Iqbal Academy Pakistan.
  - Rumi Jalalud-din Mohamad (2012) *Majfoozati Rumi*, Areeb publications, New Delhi.
  - Syed Mohamad Hasnain (2009) (ed) *Jawhar-e-Iqbal* Milli Publications, New Delhi.

(Adfar Rashid Shah is a Ph D Candidate Of Sociology at faculty of Social Sciences, Jamia Millia Islamia, New Delhi. Amir Subhan Wani is a free lance columnist Pursuing B Tech at National institute of Technology, Hazratbal Srinagar Mail at [adferayed@gmail.com](mailto:adferayed@gmail.com) or [asw.nit11@ovi.com](mailto:asw.nit11@ovi.com) ).

## References

- [Khalifa, A. H. (2008) *qabul aur Pehla khutba ilm aur* [s.o.w.] Iqbal academy Pakistan
- [Lapierre, J. and Martine (1854) *Historie de la* Turquie.Paris,France.
- [Munir, Iqbal (2011), *qabul aur Mohabbat Mufareen Maktaba* Jamia.New Delhi.
- [Munier, Iqbal (1930) *The life of Mahomet G* Routledge,London.
- [Sagol (1975) *The Top of Physics An Exploration of the* [s.o.w.] [s.o.w.] [s.o.w.] Physics and Eastern Mysticism [s.o.w.] Publications Berkeley, California
- [Khalifa, A. H. (2011) *Fire Iqbal* Educational Publishing House. New Delhi
- [Khalifa, A. H. (2010) *Hikmate rumi* Areeb publications.New Delhi.
- [Khalifa, A. H. (2008) *Tasawwufat E Ishq-O-Khird Iqbal Ki Nazar* [s.o.w.] Lahore [s.o.w.] Academy Pakistan
- [Khalifa, A. H. (2003) *Dimensions of Iqbal* Iqbal academy Pakistan,
- [Khalifa, A. H. (2012) *Life of Iqbal* A Voice London UK
- [Khalifa, A. H. (2010) *Iqbal Soorya* Educational Publishing House, New Delhi.
- [Khalifa, A. H. (2008) *Iqbal aur Mohabbat e Rasool* [s.o.w.] Iqbal academy Pakistan.
- [Khalifa, A. H. (2010) *Ma'at-e-Nadma* Meezan Publications Srinagar
- [Khalifa, A. H. (2011) *Fire Iqbal* Educational Publishing House, New Delhi.



## End Notes

love (lust less love) or attachment of one's heart  
 to someone or something. In a religious sense, a Holy Quran is "habb" or  
 love. In a secular sense, it is "ver,thin; peace over sincere", war with  
 No'fs (belly), etc.,.

**Logical positivism**, also called **logical empiricism** is a philosophical movement that arose in Europe in early decades of 20<sup>th</sup> century and was characterized by the view that scientific knowledge is the only kind of knowledge and all traditional metaphysical doctrines are to be rejected as meaningless.

and the other (the "paradigm") argued in his book "The Structure of Scientific Revolutions" the concept of "paradigm shift" meaning a change in the dominant paradigm.<sup>2</sup> He wrote that scientific advancement is not evolutionary but rather a series of "paradigm shifts" precipitated by intellectual "crises" and that "the old paradigm works and is replaced by another".

Love is a strong affection and personal attachment. Love is also a virtue, proof of human kindness, compassion and affection. The greatest love is to be devoted to one for the good of another.

- A modular programming system makes reference to a larger system in constitution, configuration, or development

constituted, containing many of the same ideas as quantum mechanics, but with the Planck constant  $h$  replaced by  $\hbar$ . All physical phenomena are the same as in quantum mechanics, except that the Planck constant  $h$  is replaced by  $\hbar$ . Quantum mechanics departs from classical mechanics in the realm of atomic and subatomic phenomena, and provides a mathematical description of much of the behavior of matter and energy, and of the interaction of energy and matter. It is a non-relativistic theory, compatible with special relativity, and general relativity. It is a non-quantum theory of particles or fields in cases where some of the velocities are comparable to the speed of light.

Physics is comprised of the study of the structure, properties, and interactions of matter and the forces that govern them. It seeks to determine the fundamental laws that control the behavior of matter and the physical universe.

*waz miyan qalmish gouhar barra”.*

#### TAIL PIECE:

The immediate consequence that follows from all this is that a Muslim's similitude is that of fish living in the ocean of love of the beloved Prophet (p b u h) and deriving his life from this ocean of mercy. Once Muslim steps out of this ocean he will die and will simultaneously feel prey to various hunters hitherto thirsty for his blood. Thus Muslim *Ummah* must appreciate the role of this spirit as a wall that protects us from invaders of all sorts. Out of this wall our lives, our dignity and most crucially our faith all are at stake. The call of the hour is therefore not only to appreciate this *Ishq-i-Mustafa* (p.b.u.h) as a theological debate and philosophically intriguing subject but to implement this passion practically in our lives and to realize its pragmatic bounties. Only then will our quest for construction of self come to fruition, only then can we do something worth for Muslim *Ummah*, only then we can be the leaders of world only then we will gain success in both the worlds, only then we can justify our “*Imaan*”, only then are we Muslims and only then are we humans and only then can we be the Alexander of universe. To put it in Allama's tune in *Jawab-e-Shikwa*;

‘K Muhammed (S A W ) Se Wafa Tu Ne Tau Hum Tere Hain  
Yeh Jahan Cheez Hai Kya, Loh-o-Qalam Tere Hain”

(To my Muhammad be but true, and you have conquered me, The world is nothing you will command My Pen of Destiny)

*"The principles of the revolution of Marx and Lenin, apply only to abstract men"<sup>55</sup>*

Thus the aim of our discussion is not to affirm or negate the socialist proposal. Iqbal has done as the only acceptable method of the matter. Iqbal teaches a unique and beautiful lesson in the course of this essay that Muslim like a blooming bud in the garden of the world of P B U H and evolves as a flower by the grace of the prophet. Only the breeze of this garden is such that it carries with it the fragrance. Iqbal says we must cultivate in ourselves the properties of P B U H habits and apical character. A Muslim should be so that his hand and tongue are merciful. It is because of this that a follower of Prophet (P B U H) whose rectitude is spread like moor into lake. The prophet (P B U H) is an epitome of character and mercy, for as Iqbal says that if you will deviate from the path of prophet (P B U H) we will be extirpated from our realm. Iqbal further says that Muslim is like a pearl that derives shine from the ocean of Prophet's sawj mercy. Thus Iqbal advises us to confine ourselves in this ocean of mercy so that we may turn into a lustrous pearl. To quote Iqbal

*"Guncho az shaksari Mustafa[s.o.w].  
Gul shaw az baadi bahari Mustafa[s.o.w]  
Az baharish rang o ba bayyod girf :  
bahr' az khairi o bayyod girift  
Fitrat-i muslim sarapa shafqat ast :  
dar jaha dasto zaibaish rehmat ast  
Ain-e-rahmat o az sar o ajushatash do neem  
rehmat o aalom wa ikhlaqish azeem  
Az muqami o agar door disti :  
az ma'oini ma'sher ma niesti  
Teenat paaki musalma gouhar ast  
aab o tabish azeemi paigambar ast  
Aabi nisoni b'a go shish darra*

---

<sup>55</sup> P. 37



lived in a miserable hut, slept upon straw and his pillow was made of palm leaves covered with leather.<sup>54</sup>

At last but not the least in this row of remarks from west to scholars a heart touching statement about Prophet Muhammad (s.a.w) by Alphonse de La Martine in his book "Histoire de la Turquie" reads out:

If greatness of purpose, smallness of means and astonishing results are the criteria of a human genius, who could dare compare any great man in history with Muhammad?<sup>55</sup>

The purpose of these references is only to substantiate the divine decree that:

*"Inna ka la Alla Khulkin Azeem"* and its equivalent *"Lokkaa kaan Lakkumfi ji Rasool Allahi Uswatu Hassana"*

Known history of mankind can't cite out a person that has succeeded in attaining perfection in religious and secular affairs alike except the holy being of Hazrat Muhammad (s.a.w). They symbolize perfection and excellence of every field of life. They not only laid down the theoretical foundations of Islam but practically established an empire based on Islamic principles of monotheism, equality, fraternity, justice, peace, human values, ethical standards and tolerance. There can be no ideal for humanity except Hazrat Muhammad (s.a.w) because only in their holy personality, we find tangible and pragmatic solutions to all affairs of life from cradle to grave. This pragmatism distinguishes prophet (s.a.w) from the rest of thinkers whose thoughts were confined within the domain of idealism with no practical productivity. Even the revolutionary like Karl Marx of whom Iqbal says; *"Niest Pitaambar Wa Laikin Dar Bagal Darad Kitaab"*, failed to transform his theory into practicality. That is why Dr. Alexis Carrel writes:

---

<sup>54</sup> The encyclopedia Americana, 1947 edition vol.19, P.294

- **Usswa-e-Hasana** (the life style) of the Prophet Muhammad (PBUH)<sup>51</sup>.

Commenting on the character of Prophet Muhammad, Gustav Weil in his book *History of Islam's people*<sup>52</sup> argues that

“Muhammad set a shining example to his people. His character was pure and stainless. His house, his dress, his food, these were characterized by a rare simplicity.”<sup>53</sup>

Iqbal- as a seer says:

*ta sho'ari k'ustajof[s a.w] az dast raft*  
***Qaum ra ramzi baqqa az dasti raft.***<sup>54</sup>  
*(quliyati iqbali; asrar o ramooz)*

William Muir in his book<sup>55</sup> writes,

“All authorities agree in ascribing to the youth of Mahomet a modesty of the department and purity of means rare among the people of Mecca (Vol.2. P.14).

Another scholar, named P. De Lacy Johnstone in his book *‘Muhammad and his Power’*<sup>56</sup> says, “He enjoyed a high character among citizens and nothing stands against him” (P 51)

Emile Dermengham in his book *‘The life of Mahomet’*, writes: *‘Mahomet’s youth has been chaste’* (Translated by Arabella, P 52). Encyclopeda Americana writes about the life of Prophet (s.a.w) as:

“His personality was strong and dominant, but his domestic life was as simple as frugality at metals. He was kind and generous, a tender father and a loyal friend. Even at the height of his power he

---

<sup>51</sup> Translated by S. A Khuda Baksh p.27”

<sup>52</sup> Gustav Weil, History of Islam's people, Vol. 1, Smith Elder & Co. Ltd.

Since, psychology of man is such that it never accepts the superiority of other human being, thus any attempt to present Prophet (s a w), as an ordinary man saps the spirit of Islam and leaves no scope for modern rational mind to stay subservient to prophet (s a w). In this state it is highly appreciable to see Prophet (s a w) in Quranic prism that, beyond doubt, ascribes a unique and pedestal post to Prophet (s a w). Iqbal, in harmony with the spirit of Quran says that the servitude of Muhammad (s a w) is in fact a means of emancipating oneself from the shackles of slavery and to possess real liberty. He says:-

*"Khado ke lamam touheed mar do, ad hark k,  
Ghulam, Mustafā [s a w] ke ha sirr ad azad hai"*

Iqbal makes a highly sensible and pertinent assertion that every system in this universe works on the principle of obedience. Planets trace a particular trajectory under the bindings of gravitation and seed evolves as a tree under some laws of biology. Iqbal emphatically remarks that stars keep on heading towards their destiny, but they also bow and surrender before some cosmic abiding. He says drops coalesce to form ocean and the particles of sand form a colossal desert under the law of interaction. Iqbal infers that, alike a Muslim should abide by the sayings of prophet (s a.w) only then we can succeed in both the worlds.

Allama says:

*"qatra ha daryast az o'maeini wasl  
Zarra ha sohra ost az o'maein wasl  
Batini har shai zi daeen e qawwi  
Tu chara gafil azi samaa rowi  
Booz ay azaad dastoori qodim  
Zeenati pakun hamma zangeeroim  
Shikwa sanji sakhti daiee mashaw  
Az hadoodi Mustafa [s a w] beeru mar'o"*

prophet, a man of God, a companion of Sahabas. But I must  
 state that the attitude to prophet (p b u h) is not a form  
 of reverence, exercised by an individual over other individuals  
 rather it is a means of achieving the highest ideas and ultimate  
 aim of existence. In recent times attempts have been made from  
 various quarters around the globe to dilute the relation of Muslim  
 community with their Prophet (p b u h) and a deliberate  
 attempt is being made to project Prophet Muhammad (S A W) as  
 a mere human being. Orientalists have played really a  
 commanding role in this process. Plethora of books has been  
 written to surface the various worldly aspects of prophet (s.a w)  
 e.g., books on presenting Prophet (p b u h) as a statesman, a  
 political leader, or as a conqueror. Let them be axing the top most  
 concept of prophet (p b u h), i.e. of prophet hood and unconsciously  
 they are hard poisoning Muslim Ummah. Arnold Toynbee<sup>50</sup>, in his  
 book *Muslim place in history* maliciously writes

Muhammad (p b u h) was, in the end a conspicuously successful  
 man, but he succeeded not as a prophet, but as a statesman<sup>50</sup>

Such an account is for sure not without a bias and without a  
 concrete purpose of de-align Muslims from the magnanimous  
 personality of Hazrat Muhammad (p b u h). In addition there have  
 been some forces within Muslim Ummah, who portray Prophet  
 just like the other human beings. A non-Muslim, rather anti-  
 Muslim author Watt Montgomery Watt also acknowledges this  
 conspiracy in his book *Muhammad, prophet and statesman* as

*Of all the world's great men none has been so much maligned as  
 Muhammad*<sup>51</sup>.

---

Translated by the Beloved Prophet (sahibul hayat wal hayat)

Translated by the Beloved Prophet (sahibul hayat wal hayat) University press 1961 P 165 is

copied from e-source

<sup>51</sup> p.231

Aalmai aab o ftrak ma tare z haa' n ay farooq  
zara'raig ko diya tune tulooi aafaaab

Sna ikat sanjar o saleem tare ,a laa ki namood  
faqr e jana d o ba yazee teri jamal se naqab

Shouq agar tera na hou,meri namaz ka imam  
mera qayam be nigah'mera sa,ood be h,ah'

Teri nigahi naaz se douna muraad pagaye  
aql gayab o justuj,ishq hazoor o izziraab'

### 5. Ita'ati Rasool (Prophet's Obedience) (P.B.U.H): The Sign of Love for the Prophet

Quran is very explicit and emphatic in matters concerning the obedience and subservience of Messenger (s a w) Hitherto, in Quran we find verses hammering upon the obedience of Prophet Muhammad (S A W). This obedience is of such importance that some verses place the obedience of Allah and messenger (s a w) on same scale. Quran categorically asserts:-

“mai yuti Rassol faqad atta allah”

Quran directs us to execute whatever Muhammad (S A W) ordains and refrain from whatever they (s a w) prohibit. This obedience demands that we must surrender our views, wil, likeness and priorities before the call of Prophet (s a w). As a matter of fact, *imaan* in its essence means nothing but to accept the commandments of Prophet (as revealed by Allah on their holy being), without any cross verification, query, or doubts”(reported from *Muntakhab Ahadees*). Thus we find among the companions of prophet (s a w) the highest form of obedience and servitude towards Prophet (s a w). Islamic history is laden with events

wherever in this world there is life and  
 movement, it is seen to be due either due to  
 the beneficence of Hazrat Mustafa SAW or due to the continuous  
 search for that beneficence. Allama says:

Harf-e-akbari, phane rang-e-bod  
 Aa ki az khakish barooyad aarizoo  
 Eshq-e-noor-e-istifa[s a w] aarahast  
 Aa barooz andar ta'aasni Mustafa ast<sup>1</sup>

The most important lesson derivable from qba's concept of Ishq, is  
 that our love for our Huzoor (saw) is multifold  
 The following are the dominant aspects of this Ishq are

- Ishqi Mustafawi(p.b.u.h)
- Ikbaai Rasool(p.b.u.h)
- Ishqi rasool as in Quranic prism.

Since the first parameter has been discussed above, the rest of the  
 factors will be discussed in forthcoming lines. But before closing  
 this segment, it seems highly desirable to scribble one of the  
 'slogans' of Allama iqbal entitled 'Zouq-e-  
 Rasool' which was written around December 1911 while qbal  
 was attending Muslim world conference as reported  
 by Ghulam Feroze Mehar in matabbi Baakultraal that reflects his  
 love for the holy prophet's emotional attachment with Hazrat  
 Mustafa (p.b.u.h) it is expected to stir the hearts of readers  
 who want the love of Rasool (p.b.u.h)

Ho to waad ba tou tera sajad abitab  
 Gam-e-dard-e-martare na beet n ar habab

<sup>1</sup> Anar publishing house, Delhi (p 211)

“Ba Mustafa (s a.w) pirasaan khawesh re kadeen nama oost  
 Agar ba ou na raseedi tammam bo lahbi ast”

(Attach yourself to Mohammad for following Him will lead you to success and if you fail to attach yourself to him, you will go astray)

Iqbal's heart was filled with *Ishq-i-Rasool* (p b u h) and he could never hold his tears when there was mention of Hazrat Muhammad (p b u h). During the last phase of his life this '*Ishq-i-Rasool*' (p b u h) had reached such a climax that tears kept dripping from his eyes for hours together. He was well aware that this *Ishq-i-Rasool* (p b u h) is an eternal wealth and a refuge in deluge. This *Ishq* makes man Alexander of seas and continents, Allama says:

“har ki ishq, Mustafa(s a.w) samaani oost  
 Bahr o bar dar goushal damaani oost”

Likewise at other place Iqbal remarks that:

“salaari karva hai meeri hijaz apna  
 is naam say hai baqi araami ja humara”

Laying down the path for achieving deals in life Alama chalks a very clear path. He eloquently remarks that -

“Ba manzil koush manandi mah' nau  
 Daree neeli fiza har dam fazoo shaw  
 Muqami khwaesn agar khwahi daree deer  
 Ba haq dil band-o-rahi Mustafa raw”

(If e if you want to progress and prosper it can be made possible only in one way; make effort and endeavor your way, attach yourself to Allah and follow the path shown by Hazrat Muhammad (p n b h). Then you will attain such a splendor which you can't dream of). Alama, in Javid Nama, has unveiled an insightful and

and a deterring factor. I have seen a bird from the bounty, called *chakka*, in the end of the tree, led to

*chakka* and it did not hold on to the tree. It, in a way, was a bird that was not a bird. If you can be a true believer, you are more than all your children and parents and the rest of people).

This is the elevation of faith can't be assured lest we love Hazrat Muhammad (s.a.w.) more than our lives. This is in accordance with the scripture of Quran as Allah says in Holy Quran (Chapter: *Al-Baqara*, 'Quran: *Kuntum Tonboonallan fottabooni*...') that, 'If prophet tell the believers to love you if they claim of loving me.)

There runs a parallelism between Sahabas (companions of the Prophet) and Alama (goal at one pole and the *qulabars*, *infidels*) and so called philosophers of modern times at the other pole. As the Sahabas were devoted in everything except the acceptance of *al-Baqara*, and *spiritual*, of Hazrat Muhammad (s.a.w.) They were devoted to the Prophet but adopted stubborn stance like the Alama who was educated and assimilated all the knowledge that western philosophers had but he very well understood the role and essence of *Ung-Rasool* (s.a.w.) and by keeping his intellect subservient to this *Ung* he became *qulab* in the real sense and entered the list of the *Ung-Rasool* who make very rare visits to our planet earth. However, at the gravity of this *Ung-Rasool* (p.u.h), *qulab* a' *Ung* has been rendered under its shades and made no attempts to bring it humanly closer. Thus his intellectual evolution came to the final conclusion of *Ung-Rasool*. According to him, this *Ung-Rasool* (s.a.w.) is the alpha and omega, the religion and worship that is part of Quran and the demand of Allah. Alama believed that faith without *Ung-Rasool* (s.a.w.) is wickedness. He says in *Armugani Hijaz*,

///



Shah Waliullah Muhaddis Dehli, asserts that there are the following stages of love:

- |                  |                  |                                   |
|------------------|------------------|-----------------------------------|
| 1. <i>Mai</i>    | 5. <i>Sabaq'</i> | 9. <i>Hubli mutalajaq or Ishq</i> |
| 2. <i>Hawa</i>   | 6. <i>Ragbat</i> |                                   |
| 3. <i>Shuguf</i> | 7. <i>Talab</i>  |                                   |
| 4. <i>Iezam</i>  | 8. <i>Wala'</i>  |                                   |

Thus, whatever its types "Ishq" is the pinnacle and ultimate manifestation of love. Now man normally loves a thing [which includes person, abstraction or organization] from which it is benefited, or which pleases its senses or which had done some good in his favor directly or indirectly. On analyzing these causes of love with reference to the impeccable personality of Hazrat Muhammad (p.b.u.h), it becomes amply evident that none other than the beloved Prophet can be the focus of our love. In addition to their supernatural beauty, supernumerary qualities, and supersensible etiquettes Hazrat Muhammad (p.b.u.h) stands on pedestal of spirituality and are an epitome of goodness. Likewise his (p.b.u.h) beneficence towards *Ummah* and concern towards *Ummah* stands beyond description and makes it obligatory, mandatory, necessary and indispensable for every Muslim (As a matter of fact, for the whole of humanity rather all of creatures). A beautiful book on this topic has been written by Dr. Tanir-ul-Qadir by name "Kashful Asraar". *Fi Mohabbati Mojadaati Sayyid ul-Abrar* (p.b.u.h)...That gives an elegant account of plants, animals and other creatures' love for Muhammad (p.b.u.h) and to generate, express and spread the love for the prophet. It will not be impertinent in this context to mention that Muhammad (p.b.u.h), escorted whole of humanity from gloom to gleam, from shame to pride and from earth to skies. Undisputedly, whole of humanity recognizes Muhammad (p.b.u.h) as the ultimate and supreme means and manifestation of mercy. As person should be loved according to his worth thus the "Ishq-i-Rasool (s.a.w)" should be above all forms of love. All the love that springs from man's reason for other things should never ever outweigh the love for Prophet

.. on the other hand the other side of the coin is "perception gained knowledge". In Iqbal's words:

دردِ سرورِ عاشقِ دلِ سحرورِ عاشق  
*Ishq ki garmi say hai mourikoi kainat*  
 ilm mein anjuman-e-fat, shiq tamasha, zaat  
 Irfan sahoon wa saulat, shiq noyat-o-mamnat

It becomes amply evident that Iqbal's circumventing his philosophical bent intellectual attributes and his well versed acquaintance with western arts and sciences took final shelter under the q- Rasool (saw) He viewed this 'shq as the wealth of deprived, refuge in deluge, clam in gloom, ledge in the Erie. The ultimate cry that comes from the heart of hearts of Iqbal cries in **Jawab-e-Shikwa**<sup>47</sup>

Qawwat-e-shiq Se Har Past ko Bala Kar De  
 Durr-e-Nisam-e-Muhammad (S.A.W.) Se Lajla Kar De"

(*Force of your through power of name to greatness and to fame Enlighten you the groping world with dear Muhammad's Name*).

'shq', though a word of commonplace usage is highly difficult to define. Primarily, the word 'shq' does not appear anywhere in the Quran or in Hadith. Nor was it prevalent in early Islamic periods. The term used in Quran is 'hab'. One of reason for not using this term in Quran and Hadith may be associated with the meaning of the word 'shq', as was prevalent in Arabic language. The term 'shq' was first used by Sufis, psychologists and literary persons. And the sense in which this term was used was of intense, infinite and boundless feeling of love (particularly devoted to Allah). This sense symbolizes the evolutionary character of love and indicates its tradition. As a matter of fact there are scholars of great caliber who have identified different stages of love.

<sup>47</sup> (Jawab-e-Shikwa, Bang-e-Dra:120)

*"Aftab Aamad Doleel Aftab / Kar Dair at Bayn I A? W / Rooh Mehtab"*

*(The sun itself is the proof of the sun's existence / if you want a proof keep your face towards it)*

But the most crucial point of concern is that Iqbal's "Ishq" is not dedicated to so called "ultimate reality", beauty, wisdom or nature but keeping his philosophy of 'selfhood' in view, Iqbal associated love with Allah and his messenger (s a w). This channelization of love creates in man, the miraculous character, strong valour and the spirit of sacrifice. This love, when dedicated to Muhammad (s a w) creates wonders, it makes impossible seem possible. It awakens in man the sense of his manifold relation with Allah and his messenger (s a w). This "Ishq-i- Mustofo" (s a w) acts as a catalyst in the evolution of man and escorts him to the pinnacles of Universe. Iqbal, was himself an epitome of *Ishq-i-Rasool (s a w)* and dedicated a large section of his poetry to awaken this feeling among the Muslims [particularly young generation] and realised very correctly that the eternity of "*muslim ummah*" is a function of "Ishq-i-rasool (s a w). He was aware that this spirit is the antidote to all pagans, atheistic and anti-Islamic forces. He writes in (Zar-e-Kaleem:166)<sup>46</sup>

*"Woh Faqa Kash Ke Mout Se Darta Nahi Zara  
Rooh-e Muhammad (S A W.) us Ke Badan Se Nikal Do"*

*(The man who famine  
racked still fears no death Muhammad (PBUH)'s spirit from his breast expell!)*

#### 4. ISHQ-i-RASOOL (S.A.W): THE EXTRACT OF IQBAL

The summary of all insight and all philosophical dimensions which Iqbal gained from Quran in whole of his life can be sublimely encapsulated in a single doctrine of "Ishq-i-Rasool (s a w)". This is the climax of Iqbal's poetry and the stop line of all his philosophical

---

<sup>46</sup> Ablees Ka Emaan Apne Saas Farzandon Ke Naam



region, likewise if an attempt is made to stretch the canvas of reason outside the observable universe and to make inferences which mind itself can't interpret it will lead to the breakdown and tearing apart of intellect. Iqbal's special status, in this connection becomes prominent only when a comparative analysis is made of rationalism and intuition. Iqbal takes a distinct and well justified stance in this regard. He argues that mind is functional in assessing the physical realities of universe that are accessible to any of the senses but in metaphysical realm mind cannot recognize anything as this realm lies beyond senses. Thus in the state of ecstatic frenzy it is most advisable to do as Iqbal recommends

"Accha hai di' ke paas rahe paas jaan na de  
Laikin kabhi kabhi isse tanna bhi chod de"

*(Good, if reasoning of the mind controls the heart But let it (heart) have it's own way, once in a while)*

In this world, 'Ishq' or to say intuition becomes functional. As *ishq* is higher than consciousness, it is able to grip those metaphysical realities that are alien to mind. Iqbal thus gives priority to "ishq" over "Khird". Iqbal opines that "ishq" is the essence of religion, the spirit of Ibadah (worship) and the way to reach to Allah, he says in *(Dua, Bal-e-Jibril-123)*

"Hai Yeh Meri Na'ooz, Hai Yeh Meri Wazu  
Meri Nawaon Mein Hai Mere Jigar Ka Lanoo"

*(My invocations are sincere and true. They form my obligations and prayers due).*

In the same vein, he writes,

"Tujh Se Meri Zindagi Souz-o Tab-o Dard-o-Dagh  
Tu Hi Meri Arzoo, Tu Hi Meri Justujoo"

*(Your Love, makes me God, fret with pain and pain. You are the only quest and aim of mine)*

a part of the work of a lover will be to keep it open to the possibilities of change in others. Howe advocates that victory of love is "not a victory in the life of the one who is faithful in the work of love". He quotes Corinthian 13:13 to reveal

*So faith, hope, abide these three, but the greatest of these is Love".*

Shadik Muhammad al-Canazani al-Husseini writes in his book *Jal'al-akhbar* that Allah (Azza wa Jal) has said in one of His utterances 'He is lying the person who claims to love Me yet goes to sleep once the night has set'. If you were one of the lovers of Allah (AWJ) you would not wake up from your sleep reluctantly. The lover is tired while the Beloved is sought after. The Prophet (SAW) is reported to have said 'Allah (AWJ) says to Gabriel

*O Gabriel wake up so and-so and put to sleep so and-so"*

It is interpreted as 'wake up such and-such a person who is a lover and put to sleep so-and-so who is beloved. The former has claimed that he loves "Me", so make him get up and make him stand in his right position (of worshipping Me) so that the leaves of his existence with anyone other than "Me" fall. Wake him up in order for him to present evidence of his claim and in order for his love to be confirmed. And put to sleep so and-so because he is a beloved. Nothing of him has remained for other than "Me". His love has become all for 'Me' and has been confirmed.

Thus Iqbal turns against '*mind*', logic or mad only when it comes in clash with intuition, *ishq*, inner religious experience and higher religious values. Iqbal agrees that mind can escort man to a certain vantage point wherefrom *ishq* becomes *Kinaz-e-Rah*. Iqbal's fight is not against mind as such but it abhors the act of carrying mind beyond its domains. As mind is bound within the limits of space and time and can't function beyond a certain point thus Iqbal opines that at this point it is fatal, useless and insane to still rely on mind, which has no role at this stage. As an example child in mother's womb has no conception of external world that lies awaiting him as his mind is confined within particular space, time &

alignment with this wave of light can assist humanity and the earth in making a calm and peaceful transition. The way one embraces the changes and seeks out growth, it transits one into the higher realms. The Spiritual growth is a journey, as vast as consciousness. It means growing through connecting with your "Higher Self" and to a 'Higher Power-The God'. This higher power, your "Higher Self" and 'God' works with one's personality, assisting it to develop self-confidence, self-love and other good qualities. Professor Whithead says that religion is a system of general truths which have the effect of transforming character when they are sincerely held and vividly apprehended. Personal character thus transformed by the religion, affects the whole society because religion is not restricted only to the individual development. It moves from individual to society. The message of higher religion is for all. It promotes respect for the entire mankind and tolerance and regard for all religions. To Rumi, man is the root of creation. The soul is divine, it originates from God. He believes in the unity of equality of all human beings.

*Darmuani Qismat o Aidad Neist*

*Darmuani Tajzieh o Afrad Neist.*

(In things spiritual there is no division and no number, in things spiritual there is no partition and no individuals)

Dr. Iqbal in Javid Nama mentions,

*Isq Shabkhani Za Dan Bar Lamakan*

*Goor Ranadedah Raftan Az Johaun*

(Love conquers the space less infinite, it is passing out this world without being hampered by death).

Rae Howe in his book 'The Creative years' writes, 'And so we believe that our love when we offer it to God to be the instrument of his love, in spite of every indication to the contrary will be victorious. Sometimes we will have to accept the possibility that we may not see the evidence of the victory in the lives of those we love or in the desire changes in our relationship, although

thought and intuition. Iqbal, clearly assessing the worth of rationalism emphatically scribes that,

“Indeed in view of its function, religion stands in greater need of a rational foundation of its ultimate principles than even the dogmas of science”<sup>41</sup>

That is why Prof. Whitehead remarks that “The ages of faith are the ages of rationalism” Now, had Iqbal been pathetic towards rationalism, he would have never realized the need of putting religion on logical footing. Dr. Mohammad Tahir Farooq, in his book “Iqbal aur Ma’abud-e-Rasool (P.B. U.H.) writes,

“The emphasis with which Allama Iqbal has eulogized the ‘ishq’ has given birth to a common misconception that he was in absolute spiritual ecstasy. But this is fully wrong. Hazrat Allama only expressed the state of devotion of belief and is drenched in it and that thus it becomes a claim of ‘if and if not’” As opposed to it, “Ishq’ act without concerning of consequences, it takes the command and acts instantly”<sup>42</sup>

Love is free from the robe of argumentation. Argues Dr Israr, “However Allama treats love as the code of life. He says in *Lava-e-Nama*

*Im Laqi Ra-shra o Aaien Ast Ishq  
Asal Tehzeb Ast Deen, Deen Ast Ishq”*

(Love is the code and principle of life. The spirit of civilization is faith and faith is nothing but love)

Love is a wave of energy with great impact on those areas of life that make the least care, and harmony. It adds light to life, but even a bold claim, I have understood the purpose of harmony. The

---

<sup>41</sup> Iqbal aur Ma’abud-e-Rasool (ex. w) / Farooq Muhammad Tahir Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2008

<sup>42</sup> Iqbal book foundation P. 21



"Iqbal and Dante are poets of love, and not merely love poets, because for them love is 'the cause and end of all creation'"<sup>39</sup>.

Iqbal's philosophy of love is in continuation and consonance with his philosophy of self (*Falsofa-i-Khudi*). This philosophy of love (*falsofa-i-Ishq*) is a pragmatic equivalent and practical manifest of his "*falsofa-i-khudi*". Iqbal, drawing inspiration from Maulana Rumi created a deep and intricate sense of the word "*Ishq*" and increased its breadth and depth up to colossal order. Iqbal, as mentioned earlier deemed love as the "prime mover" and sought it above reason and logical principles. But his uniqueness lies in recognizing *Ishq* as ultra-rational rather anti-rational. He says in *Jawab-e-Shikwa*;

*"Ishq tha fitna gar-o-sarkash-o chailak Mera  
Aasman cheer gaya nala-e-bebaak mera"*

*(So wild and wayward was my Love, such tumult raised its signs.  
Before it's daring swiftly fell the ramparts of the skies).*

Iqbal links love with intuition and religion and ascribes mind to philosophy and logic. It is in fact highly positivistic approach as Radhakrishnan writes, "*intuition is beyond reason but not against reason*"<sup>40</sup>. It has been publicized unjustly, unknowingly and wrongly that Iqbal was anti-rational and illogical in his approach and a severe critique of mind. Averse to all this, Iqbal was a staunch advocate of rationalism and logical methodology. He deemed mind as a great bounty of Allah and not his wrath. Intuition and thought complement each other rather creating a friction in between. The main proof of Iqbal's advocacy of mind, thought, logic or rationalism or whatever alike one can call it is provided by his revivalist prosaic work "*The Reconstruction Of Religious Thought In Islam*" that aims at providing logical database to religious truths. Particularly the opening chapter "*Knowledge and Inner Religious Experience*" carries out an exposition of

---

<sup>39</sup> "Iqbal studies" edited by A.A. Ansari Published by Gulab Academy P. 230

<sup>40</sup> Contemporary Indian philosophy Radhakrishnan P. 268-69

It is through love that man continually regenerates himself into a new individual. Analogous to Iqbal's burning of sainthood, love is also the way of, as Dante<sup>36</sup> says, *the leading of man into a state of blessedness*.

Over and above, love raises an ordinary person to the privileged status. When man loves his Creator (Allaha) the same love can make man a devil if he develops love of unworthy material objects. Thus, love has the dual nature of poison and antidote. Recognizing this dual aspect of love Majid and Rumi says

*le na ishq ast ie k. durr mardam bood  
ie fasad az khoor dan gundam bood*<sup>37</sup>

*(Don't regard lust and material pursuits as Ishaq, the Ishaq – an talking of is a different one)*

To accent compendiously, love is a vital agency in the functioning of cosmos. It sustains, stabilizes, and harmonizes the whole of universe. It not only keeps things restless in search of 'ultimate destiny' but also attracts them towards each other for the cause of cosmic evolution. Dante says,

*"Like a wheel in even motion by the love impelled  
It moves the sun in heaven and a'l the stars"*

Iqbal's concept of love is evolved and broader in its form and implications. Iqbal attaches highest priority to love and places it above all sorts of intellectual tendencies.

### 3. LOVE IN IQBALIAN GENRE

Love for the Prophet and love for the humanity for the escalation of *Khud* is the basic purpose of Iqbal's utterances on love. Z A Usmani in his sublime essay, *"Iqbal and Dante as poets of love"* accentuates,

37.

---

<sup>36</sup> (Epistle to can grande della scala)

humanity and can tie all humans together. Besides, love in its all inclusiveness includes realms of mysticism, religion, philosophy, art and poetry. Love is a means of evolution provided that beloved is higher than the lover. Dr. K. A. Hakeem in his book *"Hikmat-e-Rumi"* beautifully writes that:

*"Lover (Aashiq) assimilates higher qualities of beloved (Musho'ar) by perishing his own traits. Likewise plants elevate their status by assimilating in a mineral body (which is superior to plants). Owing to this passion of love there exists a process of evolution in universe with everything trying to intimate the ultimate cause i.e., Allah, since nothing can attain that statute, thus process of evolution continues unending".<sup>36</sup>*

Love means to assimilate the qualities of beloved and its ultimate manifestation appears when lover paints his existence by the colors of beloved. As Z. A. Usmani in an extra-ordinary essay *"Iqbal and Dante as poets of love"* states that:

*"I become I when I say thou, whatever the thou is, a human being, an object of nature, an object of aesthetic perception, a form of the truth or the absolute truth itself. The absolute truth is ultimately implicated, for the particular thou is the glimpse through to the eternal thou or God".<sup>37</sup>*

Love wants to go ahead of what it possesses at present as Rumi says,

*"I died as a mineral and arose as a plant, I died as a plant and arose as an animal, I died as an animal and arose as a man".*

On the same lines, Allama argues, "Love is the code and principle of Life- The spirit of civilization is 'faith' and 'faith' is nothing but Love" (Javed Nama, 1932: 129).

---

<sup>36</sup> A profound literary and soft discussion has been taken up by Professor Ahsan Ashraf in his book *A critical exposition of Qutb's philosophy* on P. 31.

<sup>36</sup> K. A. Hakeem *Hikmat-e-Rumi* P. 33-34. Areca Publications.

<sup>37</sup> *"Iqbal and Dante as poets of love"* Z. A. Usmani.

He says, love is authentic and manifest proof; both worlds are subject to the feeling of love. On the very essence and significance of love. He also says,

*shakse paida na vaye zindagi ma zano bam  
ishq se mostafatase zar marlor o mubtam*

(IS.IQ" to iqbal i. assimilation and absorption. He says that it is that the desire to assimilate, to absorb its highest form is the pursuit of values and ideals and the endeavor to realize them)

## 2. DIVERSITY/ MULTIFACETEDNESS OF LOVE

Ibn al- Arabi aims at the conquest of the 'world of matter'. His love makes conquest of the 'Infinite' (1932:9) We find love operative at every scale and in every phenomenon of universe. Whatever there exists in the universe is a manifest of this underlying force called love. But as opposed to earth and skies galaxies and constellations sun and moon which are (spatial-temporal) in nature, love is so expansive in space and so eternal in time that it cannot be confined within the fabric of space-time. It has multilateral implication and plethora of interpretations. But the spectrum of love has at least three major and dominant aspect, from which all other dimensions, at least in principle can be explored. These three aspects are metaphysical, epistemological and ethical perspectives. Metaphysically "love is defined as the mysterious powerful weapon of man and an inherent propulsive agency in the course of evolution. In this sense it can also been identified as 'a tendency of objects to move toward ultimate reality'". Epistemologically 'love is identified as a form of intuition which is considered to be the highest form of knowledge'. Ethically love is a power which alone can save the

---

<sup>172</sup> *Shakse paida na vaye zindagi ma zano bam* ishtaq se mostafatase zar marlor o mubtam. It means that we must not perish at some instant of future

love, the deeper probes into the cosmic landscape have once again revitalized this concept, though in a different manner. The collapse of classical scheme at microcosm<sup>33</sup> and the subsequent success of Quantum and relativistic mechanics have revealed to us, some of the veiled realities that form the very basis of whole of existence. One of these fundamental realities (that strengthens the role of love in substantiating the universe) has come from the quarter of “particle physics”<sup>34</sup> and that revelation is the existence of sub

atomic particles in two distinct but similar forms, one of them is conventionally termed as ‘matter’ and the other form as ‘anti-matter’. These antiparticles have an inherent intense attraction (Love) for each other. To quote Fritjof Capra<sup>35</sup>:

“The exploration of the subatomic world has revealed a reality which repeatedly transcendent language and reasoning and the unification of concepts which had hitherto seemed opposite and irreconcilable turns out to be one of the striking features of this new reality”<sup>36</sup>

Likewise, the gravitational attraction between cosmic objects maintains the large scale structure of universe. Had there been no such forces there would have been nothing except nonexistence. Iqbal appreciating the role of these forces (which are a manifest of underlying love) writes,

*“Ishq az fariyaad-i- maa hungama ha toemeer karrad  
warna ie bazmi khamoshon haech qogai nadaasht”*

*(Universe is alive due to love otherwise it would have been dull and dumb).*

---

<sup>33</sup> Capra Fritjof 1975. *The Tao of Physics: An Exploration of the Parallels Between Modern Physics and Eastern Mysticism*. Shambhala Publications, Berkeley, California .P.161

Muhammad (P B U H) as the ultimate and supreme means and manifestation of compassion. He believes that a person should be loved according to his worth, thus the love for Prophet should be above all forms of love. This paper attempts to give a philosophical description supplanted by theistic dictions of love (*ishq*) in the light of Iqbalian perspective and in attempt to re-conceptualize Iqbal's take on the love of Prophet (P B U H) and the concept of *Ishq* in general.

**Key words** Love, Alama Iqbal, *Ishq*, *ishq* i Rasool (saw), Scientific Philosophy, *Falsafa-i-Ishq*.

## 1. Love :- A Philosophical Dimension

Love conquers the space less infinite, it is passing out of this world without being hampered by death (1933 :17)<sup>32</sup> Based on the principles of logical positivism“ science and philosophy in some of its extended forms abhors appreciating anything that lies beyond the dimensions of space and time, the prime features of quantification.

One of the dismal prospects emerging out from recent trends in normative sciences is the skeptical attitude towards transcendent affairs of existence. There has occurred an intellectual paradigm shift in perceptions and the attributes like reasoning, logic and analysis have given place to higher values like love, intuition and contemplation. Otherwise the role of love in metaphysical and spiritual realms is analogous to the role of ‘forces’ in the physical world, the role of numbers in mathematical world and the role of mind in psychological world. Except the former is transcendental, infinite, incomprehensible and incommensurable while the latter is tangible, finite and materialistic in nature. Despite, this entire cynical and biased attitude towards ‘unquantifiable entity’ like

---

<sup>32</sup> (Javed Nama:1933.)

## Allama Iqbal on Love: A Philosophical Discourse

*Aqfar Rashid Shah and Amir Suhail Viani*

### Abstract

In the galaxy of stalwarts who changed the course of civilization, made extraordinary contributions in ordinary premises and elevated human intellect to the zenith of cosmos, religious and existential realities, Iqbal stands on the pedestal and occupies the crest position. Although being acquainted with eastern and western philosophies alike, he placed a great emphasis on love. It *(Ishq)* is the central theme and extract of Iqbal's thought. In the crisis ridden era like that of ours Iqbal pertinently gauged that it is only love (*Ishq*) that can save mankind from the cataclysms of modern civilization. Love is the powerful weapon of man and an inherent propulsive agency in the course of evolution. He believes that Love is the code and principle of life and the spirit of civilization is 'fath' and 'faith' is nothing but Love. To him love has a wider spectrum and is unbound; however he prefers using the term "*Ishq*" as the equivalent of love which to him means the holistic combination of worship to almighty, sense of brotherhood, passion for humanity and even dedicating oneself to the humane causes. For Iqbal, universe is alive due to love and he beautifully carves the distinction between mind and love (*Aql wa Ishq*) to explain the actual position of *Ishq* vis à vis human reason. To him while the mind understands the secrets of existence, love enables one to experience those secrets practically. This philosophy of love by Iqbal is actually in resonance with that of his philosophy of selfhood as it serves the means to escape from the cocoon of self centeredness and paves the way for the evolution of collective social and universal self (*Khudi*). Allama also amply deliberates upon love for the Prophet as whole of the humanity recognizes

not a novel. The performance of this responsibility is not so easy, but the women must be able to survive the changing scenario. Some of them, to add to their lack of education, try to find a respectable job which ensures the preservation of their chastity. Being the victims of the machinations of Arab-Muslim nomads, they have to suffer the pangs of emigration in this mischievous and perfidious land.



provides energy to religion and foundation to Milat. He warns them of the pernicious consequences of the present age which is in ambush to rob the wealth of faith and religion. He advises them to keep their eyes open on the role model of Muslim woman Fatima (R.A.).

In Bang-e-Dara (1924) an Arab girl, namely Fatima bint-e-Abdulah to whom Iqbal has paid rich tribute as she embraced martyrdom while providing water to Muslim soldiers in the battle of Tripoli. Iqbal has called her 'honour of the Milat'.

In his masterpiece Javid Nama (1932) under the chapter of Falk-e-Mareekh, a nabiyya claiming for herself the finality of Prophet hood, addresses a gathering of women not to shackle themselves in matrimonial relation as by binding themselves in this relation, producing children and performing the responsibility of motherhood, their faces would turn pale and they will be charmless, whereas Iqbal advocates that the creation of women is meant for continuation of human race. By enjoying and keeping themselves away from performing the responsibility of motherhood, there will be not only chaos but the whole world order would get disturbed. So Iqbal says neither the veil nor education, ancient or modern man alone is the guardian of femininity.

Iqbal has appreciated one more Muslim woman namely Begum Sharfunnisa in Javid Nama, who would spend most of her time in reciting the Quran. She had made a will that the Quran and the sword, which are safeguard to each other, should never be separated from after she is dead. This way Iqbal has paid homage and reverence to this pious woman for her noble character.

Times have changed and the women of the present age have complex issues and great challenges to face. Iqbal considers education compulsory for men and women both. But he is never in favour of such education which deprives her from womanhood. Men and women both have been assigned with their respective duties. The main role of woman is to perform the responsibility of

To Iqbal, motherhood has such a great importance that he regards an educated, beautiful, charming and attractive girl highly influenced by Western ideology, breaking the fetters by violating the honour of her mother, not undertaking the responsibility of performing motherhood as free as unaware of the shyness and modesty, as a bond-maid (slave girl). In comparison an uncultured, uneducated, shabby, faced girl who produces a Muslim devotee of God and pious to the community is far better. The next title that follows is in the meaning that Sayyidat-un-Nisa Fatimat-uz-Zahra (R.A.) is a role model for Muslim women. Under this title Iqbal has reckoned the various virtues and good traits of this worthy Muslim woman. First of all he says that Maryam is dear to him for one reason, she is the mother of Eisa (A.S.) whereas Fatimah (R.A.) is dear and worthy of reverence to him due to three reasons. Firstly, she was a worthy daughter of Prophet Muhammad (SAW), secondly, she was the wife of Hazrat Ali (R.A.), the fourth Caliph of Islam, and thirdly, she was an unparalleled mother of two great martyrs of Islam, helpful to poor and the needy, modest, sincere, patient, dutiful and obedient to divine law. In short an embodiment of all female virtues. She was a great devotee to God and had a deep and thorough knowledge of religion. She would recite the Quran while performing her household jobs keeping in view all her virtues. Iqbal is desirous to bow many a time to the clay of her tomb, but the divine law and the sayings of Prophet Muhammad (SAW) restrains him. He says

God's law a fetter locks about my feet  
 To guard secure the Prophet's high benest  
 Else had I surely gone about her tomb  
 And fallen prostrate, worshipping her dust

Later on, under another title Iqbal addresses veiled Muslim women (Muknaddirat-e Islam) and reminds them that they are the trustees of divine code and their immaculate character and nature

Napoleon had rightly demanded good mothers for building a good nation. Motherhood has great importance in Islam, as thought mothers play a vital role in forming the character of individuals. In the second part of his Persian Mathnawi, Kamooz-e-Bekhudi, there is a title in the meaning that mankind are created through motherhood and the preservation and respect of motherhood is 'Islam' which shows that preservation of mankind depends upon motherhood and the safety and respect of motherhood is the basis or essence of Islam. Under this title, Iqbal has described the virtues and excellence of motherhood and has evaluated an ideal woman from the national point of view, emphasizing that the reverence of woman depends only on this point that she should produce and provide self-guarding and pious Muslim. Iqbal says such a woman is useless who is highly educated and cultured but devoid of the essence of motherhood. It is better if such flower does not grow in our garden. The real wealth of a nation is healthy and hardworking sons. Motherhood is a manifestation of divine mercy and kindness, because it has a relationship with Prophet Muhammad (SAW). Prophet Muhammad (SAW) was an embodiment of kindness so mothers are also bestowed with the same reflection or enlightenment of Allah. The Prophet prepares the mould of the character of nations. Mothers also perform this duty in their own way. The character of the children is concretized by mothers. These children when grown up have to shoulder national responsibilities and they practise these responsibilities under the supervision of their respected mothers. Iqbal says

Motherhood quickens the pace of life, reveals the mysteries of life  
 It is woman who preserves the cultural tradition of a nation.  
 The world is stable from mother's grace  
 Her kind nature guards the whole human race  
 To this point if the nations did not get  
 the whole world order would soon upset.

in Khwaja Iqbal's *Discourse of Selfness*, 1918) in a powerful formal and content form and it has been subsequently translated into Urdu, Persian and English (both Urdu and Persian) and more recently into Hindi. Iqbal's lectures, entitled 'Reconstruction of Religious Thought in Islam' by presenting his doctrine of selfhood fulfilled the main objective to design a righteous society in which each and every individual after realizing his selfhood, performs his duties perfectly according to the Divine Law. Women are also an indispensable part of this society to whom "he (Iqbal) gives special status and he ever her to be the nucleus of a family and the only channel of contact to humanity".<sup>1</sup> A question arises here why Iqbal's concept of woman's society different from others. Iqbal was acutely aware of the role of identity and Muslim have to perform the duty of Saql-e-Salaf for the benefit of mankind. Iqbal passed through a very critical period when the colonial powers were dominating and influencing the lives of Muslims. They influenced Muslims to such an extent that they have been suffering ever since from a grave problem of identity crisis. It was not possible for womenfolk to remain unaffected from Western civilization. Iqbal has a great admiration and tried his very best to realize it for the revival of Muslims who are heir to a glorious past. After observing the decline of Muslim women he exhorted them to follow the model set for them by Fatima (the daughter of Prophet SAW and the spouse of Ali) for whom Iqbal had a great reverence as she performed her responsibilities of motherhood perfectly by producing two great sons who rendered their unforgettable services to Islam. Her elder son Imam Hasan (A.S.) gave up his right of caliphate for the unity of Islamic state and peace in the Muslim world and her younger son Imam Husain (A.S.) led the blessed caravan of martyrs in the way of Allah.

Gold and silver do not constitute the wealth of a nation or community, it is the wealth of worthy ones who are ethically, culturally, morally and spiritually intact. In the recent times, we are disgusted to see the attitude of youth towards life

# Iqbal and Motherhood

Prof. Taskeena Fazil

The existence and role played by woman has been highlighted by many poets and writers in the literature of different languages. So far as Urdu poetry is concerned, she has been depicted generally as a beloved or a sweet-heart. Poets have dilated on woman's beauty and love in manifold ways. Some have also elucidated some other and equally important aspects of her life. Maulana Altaf Husain Hali's "Munajat-e-Bewah" presents the picture of a grief stricken widow. Jan Nisar Akhtar and Firaq Gorakhpuri both have depicted her beauty within the four walls of the house. Akbar Allahabadi was against Western civilization and cannot look favourably on a woman who opts for the Western ways. On the whole female beauty seems to be the dominant feature in the depiction of women in Urdu poetry.

In building an ideal society woman has been assigned a key role in the thought structure of poet-philosopher Allama Iqbal. His concept of an ideal woman differs from that of other poets and writers. Beauty has its own importance but it is not everlasting nor does it enjoy lasting glamour and Iqbal has never been impressed by its external appearances. Being a Muslim intellectual and visionary he has laid the foundation of his thought on the everlasting and eternal teachings of Islam. Islam is a divine code and restricts strictly from wrong doings. Veil has been regarded compulsory for women to maintain their safety and respect. To illuminate the universe, women should learn the lesson from Almighty Allah who, despite innumerable manifestations, remains within the veil.

Iqbal had tremendous faith and immense love for Prophet Muhammad (SAW) who named woman with fragrance and Salah (prayer). Iqbal has elucidated his doctrine of selfhood in his first Persian work entitled "Asrar-e-Khud." (Secrets of the self, 1915)

we might have worshipped but now we are out to destroy, we will be regretting Iqbal. If in a quest to know an Iqbal that matters, we come across an Iqbal who doesn't really matter, there won't be anything more fitting than this. But the observation is to be correct, it is not borrowed. *‘Jalkleen karasay, ta behtar ho khaad* (our suicide is milder than a blind unquestionable following). After all Iqbal doesn't want the thirst to come to an unnatural end. Formally, repetitions take away the punch, but I enjoy repeating a verse of Iqbal beyond count. Every time I recite, every time an ever fresh, ever relevant Iqbal comes alive.

*Damadam aarzoo ha aafreenad  
bakak soorat qararay zindagi neest  
agar imroz-e-too tasveer-e-dosh ast  
Jalknee too sharoorey zindagi neest*

(A desire is born every moment as life never stays same

if your tomorrow is no different from your yesterday, your life signifies death.)

And this takes on an observation made by a not-so-famous by the ordinary standards of fame but one of the profoundest scholars of literature and philosophy in the subcontinent Ahmad Javed of Pakistan who commented on one of Iqbal's contemporaries Martin Heidegger. He says that there are some who live in the past and there are others who live in the future. Heidegger, for his philosophy which destabilized all absolutes, belongs to the latter group of thinkers. I borrow the quote and replace the name Martin Heidegger with Muhammad Iqbal. He taught us to destroy what we once fashioned and worshipped. He lives in our future. And that's why he matters.

To Iqbal, it may be a mere excuse. To us it's something that defines our relationship with him.

## INTELLECTUAL

When I say intellectual, I don't mean rational. Reason alone (the same way as faith alone) can't get us near the truth of anything. Applying logic to poetry will be like applying arithmetics to art. It will make the whole edifice of literature fall apart. The intellectual approach we adopt has got to be informed by spiritual ideals. And if I say by intellectual, I don't mean necessarily 'rational', I add that by spiritual I don't mean dogmatically 'religious'. A creative experience like Iqbal's demands to be approached creatively and that's where the living qbal emerges. Here do we come to realise that why Iqbal matters?

Iqbal matters as Iqbal's poetry is in a league of its own. Poetry demands abandon. It doesn't accept the imprisonment of ideology. Great poets transcend ideologies. Hafiz, Ghalib, Mir take a leap from a mundane, law-governed world into a universe where freedom is the only religion. Iqbal here is an exception. He weaves an ideology in the matrix of his poetry, and that instead of limiting his appeal conversely sets him free. Through his poetry he doesn't translate mere emotions, which poets normally do. He sings a thought, he lyricises a concept, articulates a theory thereby giving us a profound combination of 'ideological poetry' or 'poetic ideology'. Generally, poetry and political thought repel, in his case they seem to happen to each other. (Examples are many)

Iqbal matters as qbal inspires us to think or incites to rebel. His own journey of seeking knowledge was not static but flowing. He sums up his own tryst with knowledge of the known in three words, three stages of fact: *Tarasheedam*, (the icon, I fashioned, *Parasteedam* I worshipped) and *Shikastam* (finally demystified, if we apply the same principle to qbal's own thought which once

And I believe that Iqbal's art or wrote was the outcome of the context of his time. The norm, qbal is no exception. And to think of him as an exception to the norm, can be an exception, if I may say so. To the norm no scripture is an exception. Even if we take means are divided. Some are perennial and some disciplined by space and time.)

Back to the title. Why Iqbal matters? There are two possible ways to approach this question. One emotional. And the other intellectual.

## EMOTIONAL

To a section of qbalan scholars Iqbal matters because he represents Muslims, because he symbolises Islam and because he takes his energy, and force from the Quran and from his boundless love for the prophet of Islam (May peace be upon him). There reverence for Iqbal is rooted in devotion. Faith, reduced to the language of psychology, is after all an emotion and as emotional things we don't always need objective reasons to acknowledge someone's greatness. Iqbal, to this group of fans and admirers is great. And will stay great. Always.

I don't join issues with this class of scholars though. I don't join them. Premising our study on an emotion-based faith or a faith-based emotion has a danger of making us parochial. This way Iqbal will appear to us matchless, but we won't be able to apprehend that matchlessness in the way it needs to be apprehended? This faith-ridden way of studying Iqbal harms two ways. One, it limits our vision as readers and the second, it confines the appeal of art and literature. And we must not forget how emphatically Iqbal denies to be a poet. Iqbal is the poet first, the poet last.

*Maqam-e-Aala Ma Man ke, o Saad-e-Sukhan Banana Ee-east  
Poetry, and me are poles apart. My song is just an excuse!*



## Why Iqbal matters?

Ajaz ul Haque

I thank the organisers of this seminar for providing me a chance to make some observations, which owing to my inability of being a formal Iqbalian scholar, can't be scholarly. A few students like remarks which can be temporarily accepted or permanently rejected.

It was difficult to phrase the title in the form of a question. I first put it 'Does Iqbal matter? Well, that sounded a bit audacious and smacked of imprudence or irreverence? It spoke of an in-out and-out dismissal of Iqbalian legend as the possible answer it could elicit was 'no, Iqbal doesn't matter. Given the reverence Iqbal commands, the statement meant a downright heresy. I rephrased the same question in a bit more acceptable form. That one might have invited anger, this one is expected to evoke curiosity. 'Why Iqbal matters'? Unlike the earlier one, this question is based on a premise that yes Iqbal does matter. So the only part to be explored is *why?*

Every year twice we commemorate Iqbal. (Some may object and ask as to why trot out the same old verses, the same old couplets on each anniversary) We sound so lavish while showering our love and devotion on this man who, for about a century now, has come to symbolize our collective identity. Iqbal the poet, Iqbal the philosopher, Iqbal the thinker, Iqbal the trendsetter, Iqbal the icon-blaster, Iqbal the mystic or Iqbal a restless human mind with an uncontainable curiosity to know the ultimate, (which no one could). Which Iqbal we like and which Iqbal we celebrate the greatness of? To my little understanding of Iqbalian thought, there are two Iqbals, one dead one alive. Or to phrase it more aptly, one long irrelevant and the other ever relevant. And when we celebrate we celebrate the living Iqbal. This dead alive or relevant irrelevant division is not applicable to Iqbal only, but to all thinkers in the human history. Their theories were first a response to the r



convictions? Eliot answers 'what is to be seen is whether Dante's poetry succeeds not whether his theology succeeds', but alarmed as if to the possible implications of this remark, adds, 'Literary standards alone cannot account for great literature, but we should remember that whether a particular piece is literature or not will depend on literary standards alone'. Eliot's problem is that he wants to sail two boats at the same time. As a critic he is inclined to grant maximum autonomy to art and hence regards belief as irrelevant to it, but as a Christian wishes to argue that there can be no great art without great philosophy.

Iqbal's poetry is the poetry of commitment to a particular worldview, a fact that no serious student can afford to ignore. It is possible to read and appreciate poetry which offers us ideas we may not be ready to accept. We do read poets of different cultures and persuasions and Iqbal himself has been read, translated and admired by those who have not shared his worldview. This, however, does not mean that it should become the standard way of reading him. The point becomes clearer when we remember that Iqbal wrote with a clear idea of whom he was addressing. How many poems in his entire corpus of Urdu and Persian can be cited as examples of free standing texts susceptible to multiple interpretations? He could have, if he had wished to, written in a language which draws on semantic multivalence, but we find his poems characteristically free from ambiguity. He would, contrary to Faruqi's critical leanings, state clearly that his sole aim is communication in a persuasive fashion.

*alfaz ke pichon mein aloyhte nahin douna  
ghawaas ko matlab he saaf se ki guhar se*

To conclude, it needs to be stressed that all such approaches to Iqbal which rob him of his essence need to be suspected. Iqbal is undoubtedly a poet and there is no harm in approaching him as one. The problem only arises when the content or meaning is given a secondary place in his poems, when it is forgotten whom he was addressing and when form is projected as a fetish to the extent

*Alhamdu lillahi iz lam yateeni ajali*  
*hattaa labistu minal Islami sirbaalah*  
Praise be to God for letting me live  
Until I had donned the robe of Islam

and even that the Reverend Prophet's condemnation of Imra'ul Quraish *shu'ara shu'ara wa qad aham wan noor* — the greatest poet and leader to rebel — implied that one could be a poet and pervert at the same time.

If someone asks how seriously we should take the protests of a poet that he should not be considered a poet, he should be referred to the Quran. The Quran provides the finest example of a text repeatedly denying the charges of being poetry while being pre-eminent, poetic itself. Who can deny that the Quran exploits the phonetic texture of language which gives it an excellent poetic quality and uses powerful graphic imagery fraught with excellent evocative potential? And who can deny that all these are means to the end of awakening the human conscience and guiding it to the higher goals of life? Iqbal's poetry follows this principle of Quranic poeticity — a paradox embodying a vital truth. In Iqbal's assertions that his words are not poetry, one hears the resonance of the Quranic expression *wa ma 'al amnaahu shi'ra wa ma ma'ambaan*. We are told that Iqbal's joy knew no bounds when he was once referred to as *Shaa'ire Quran*.

Coming back to Faruqi's position, he relies on the poetics of I. A. Richards for his contention that poetic statements are essentially pseudo-statements with little cognitive value. There is no gainsaying the fact that Iqbal's poetry does raise the question of belief in poetry. The problem of how to appreciate a poet whose ideas are at variance with those of the reader is an important critical problem. The case of Eliot's criticism of Dante's poetry offers some illumination on this point. Eliot is grappling with the problem of relevance of belief in poetry. Fully aware that Dante's metaphysics may carry no cogency for many a modern reader, Eliot still feels that Dante's appeal is only to those who are his

These ideas of Faruqi raise a very important problem, perhaps the most important one, in Iqbal studies. But it seems that treating Iqbal this way may be inadequate at best and at worst may amount to misreading him. Faruqi's critical leanings are well-known, they have their origin in the tendency to regard poetry as poetry first and foremost and emerge from an excessive insistence on the specificity of literature. Intent on positing an irreducible essence of literary language, much modern criticism lost sight of the fact that literature can hardly enjoy a strictly ontologically distinct existence. Iqbal is one such poet who confesses to his uneasiness with the epithet poet, often refuting that he was a poet at all. What justification is there to insist that Iqbal be either considered a poet or nothing in the face of his protests that he be not considered one. Iqbal is not like Shakespeare or Ghalib and if that means that he is not a great poet, so much the worse for poetry. Why should we insist on applying artistic standards to someone who cries out

*meri ravaye pareshaan ko shaa'ri na samajh*

and lays a piea at the door of his prophet lamenting

*man ay meer-i umam daad az tu khwaaham*

*maraa yaaraan ghazal khwaan-i shumardana*

We need to look into why Iqbal felt rather uneasy with being counted a mere poet. To begin with, he was well aware that poetry had been frowned upon in the Islamic tradition. Following the Quran's denunciation of the contemporary Arab poets, most scholars regarded poetry with suspicion. Iqbal knew Imaam Shaafi and must have recalled his verse:

*lav la shi'ru bil ulama'l yuzra*

*la kuntu ash'ara min Labeedin*

If poetry were not frowned upon by the Ulama

I would be a greater poet than Labeed.

And Labeed himself had given up writing verse after his conversion to Islam, exclaiming *o ba dal Quran? Sha! I write after the Quran?* Ibne Qutaibah says that Labeed wrote just one verse after that

## How not to read Iqbal: A Response to Shamsur Rahman Faruqi

Mufti Mudasir

In one of his articles, *How to read Iqbal*, the renowned critic Shamsur Rahman Faruqi tries to rectify what he sees as the predominant critical tendency in Iqbalian studies. According to Faruqi, Iqbal has been rather unfortunate because he has not had perceptive critics, or only a very few of them, who have read and evaluated him as a poet. The dominant trend, claims the author, has been to put his message or philosophy—in other words, the content of his poetry, first and regard it no more than a vehicle for his ideas. This has led to the failure of criticism to explain Iqbal as a great poet at a time when many people find it hard to accept his worldview, in other words, because the onus of criticism has fallen on the message of Iqbal's poetry, we have lost sight of Iqbal, the poet. Faruqi blames the critical tradition for this situation but does not absolve Iqbal of his share of guilt in encouraging this fallacy. By saying it repeatedly that he should not be considered a mere poet, Iqbal allowed this fallacy to take root.

Faruqi does not question Iqbal's greatness, but contends that he is a great poet because 'he lets us have full or partial entry into five extremely powerful poetic traditions: the Arabo-Persian, the Indo-Persian, the European, the Indo Sanskrit and the Urdu'. All we need to assert is that Iqbal's poetry gives us imaginative entry into more worlds of literary and creative tradition than any other poet of the twentieth century. It is Iqbal's remarkable intertextuality and plurivalence that should capture our interest. Creation of complex structures of meaning, images fashioned or refashioned and making poems so as to make statements that yield sincere or even contradictory meanings, these are the things Iqbal excels at. Iqbal is our greatest *maḥmūdī* poet. He should be seen as a perfecter of different styles in Urdu poetry, and as the inventor of many new ones.

7. Javed Nama p.208
8. The Reconstruction of Religious thought in Islam p 189
9. Sidqi Nazeer, Iqbal and Radd al-Hudud, p 2
10. Sidqi B. H., Iqbal Bahiyyat-i-Mufakir Ta'eem, p 30
11. Speeches and statements of Iqbal, p 136
12. The Reconstruction of Religious thought in Islam p 15
13. Speeches and statements of Iqbal, p 91
14. Kulliyat-e-Iqbal, p.485.
15. Javed Nama, p.91
16. Kulliyat-e-Iqbal, p.136.

hated for the West, instead he provided a bridge between the East and West while supplementing the Eastern listlessness by the western dynamism enriching Western materialism by Eastern spiritualism.

|                         |                         |
|-------------------------|-------------------------|
| مشرقیوں کی سادہ گیات    | مشرقیوں کی سادہ گیات    |
| زیرِ عشقِ کبر حق شمس    | زیرِ عشقِ کبر حق شمس    |
| میں زو نقشِ عالم و غیرت | میں زو نقشِ عالم و غیرت |

In the West the essence of life is the intellect  
In the East the basis of life is love.  
Through love intellect grows acquainted with Reality  
And intellect gives stability to the world of love

Arise and lay the foundation of new world by wedding  
intellect to love.'

Iqbal is primarily a thinker of merits. His hope and confidence in man never shattered his will and vitality. After a dark night, fresh dawn matters to him.

شرق سے: دیوارِ مغرب سے حذر کر  
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو صبح کر

Be not displeased with East nor refrained with West  
it is nature's demand to turn every night in to a dawn "

---

Dr. Tariq Masoodi, Assistant Professor, PG Department of Education and Training, MANLU, Gachibowli, Hyderabad - 500032

### References:

1. Speeches and statements of Iqbal, p 96.
2. Shakeel, Abdul Gaffar, Iqbal Kay Nasri Aftab, p 18
3. Fatehpur Farman, Iqbal Sab Kay Ley, p.104
4. Ibid, p.106.
5. Hussain S, Unpublished letters of Dr Iqbal, Kashmir Times, Jammu, April 17, 1994.
6. Iqbal Review, July, 1961, p 95-96



of man and links him with God. Iqbal is an enthusiastic advocate of the significance of activity and creativeness of life. Iqbal believes that not man by nature but even God is active in order to be creative (کس سوں ہر فی سب creative things). Iqbal's conception of true dynamic youth is an apostle of desires and visionary of new horizons. He, therefore, wants that education should aim at arousing, sustaining and perpetuating the quest of desires among students. New purposes and desires affirms Iqbal, could not be stimulated in a vacuum, but through meaningful, positive and creative interaction with the multi-dimensional environment. When Iqbal in his philosophy stresses, the supremacy of man over forces of nature, science naturally assumes prominent place in the system of education. He therefore disagrees with the contention of naturalists, who considers an adjustment to the environment as the educative goal. Iqbal holds that not adjustment but the conquest of the environment is the real aim of education. Iqbal draws a fine picture of conquest of nature by man through his consistent and restless creative activity,

میں شت بہ شت دریاں دریاں بہاؤں

آخرت بہ قدرت کیلئے کے لیے

اب ہر فی عظمت سے لوں ساریں اثرات

کس ہاتھ نے کچھ نہایت کی یہ تصویر

"In the deep silence of the heart burning desire

Nature build only dunes of sand

The heaven bow in reverence to the grandeur pyramids

Which have drawn this picture of immortality'

The core of Iqbal's educational ideas is doubtless Islamic in origin, but what singles him out is his attempt at synthesizing with whatever he found value elsewhere. It is quite apparent from his ideas that he intends to have a healthy dialogue between the East and West. He analyzed and highlighted the conflict between these two civilizations. Iqbal never missed any opportunity in pointing out defects of the west but he did not seem to be harbouring any

one of the most important concepts of modern scientific thinking is *al-ḥad* (the extent of possibility, in the sense of potentiality of Iraq). During my correspondence with the late Syed Anwar Shah, one of the most learned traditional scholars of the Muslim world of today, regarding the meaning of *al-ḥad* (Time) occurring in the well known tradition *la ḥad ḥad* (I do not inject (or) against time (with time-vicissitudes)). Time (with vicissitudes) is *Al-ḥad* (C). The famous Saint referred to this manuscript, and later, at my request, he kindly sent me a copy of it. I consider it necessary to give you an account of the contents of this valuable document, partly because it will furnish rational reason for dissatisfaction with Spencer's theory, but mainly because I mean thereby to impress upon you the need of oriental research in the concepts of special relativity as developed in the world of Islam. Moreover it is likely that this small manuscript of great value may lead to the opening up of a fresh field of inquiry about the origins of our concepts of space and time, the importance of which has only recently been realized by modern physics".

He also held the view that the Quran repeatedly lays much emphasis on empirical aspect of knowledge. It was constant and fervent prayer of Prophet of Islam (PBUH) *اللهم عجل لى خيري* (O God grant me knowledge of the ultimate nature of things) and I assert that reality of thing could be ascertained through observation and experimentation, which is called inductive reasoning in scientific terminology. Thus he imagines an educational institution which should have the emphasis on both empirical relation. In letter to M. K. Ghandi in 1920, he suggests,

"A part of education mainly devoted to the technical side of natural science supplemented by such religious education as may be considered necessary".

In his ideas of education he vehemently emphasizes development of creativity which he regards as the highest attribute

approach. This approach finds Iqbal affected over a contribution of religion. He visualizes the essential role of religion as

Religion which in its higher manifestation is neither dogma, nor priesthood, nor ritual, can alone ethically prepare the modern man for the burden of the great responsibility which the advancement of modern science necessarily involves, and restore to him that attitude of faith which makes him capable of winning a personality here and retaining it here after."

Dr. Radhakrishnan is in full agreement with Iqbal when he explains the essence of religion as:

"Religion is not mere dogmatic conformity. It is not question of ceremonial piety. It is not merely going through a ritual prescribed to us. It is remaking of our own self, the transformation of our nature".

Iqbal formulated his educational perception on the basis of happy amalgam of religion and science in the curriculum. Amalgamation of such a system of education considered by Iqbal is necessary for producing the ulema of broader vision, who certainly would contribute their insight in exploring the burning issues of humanity and particularly of Muslim Ummah. Iqbal held the view that the ulema and preachers of today are not in a position to deliver goods, because their knowledge with regard to Islamic learning and history is narrow and restrictive. Iqbal speculates the educative role of ulema and preachers and suggested that ulema must be acquainted with the knowledge of history, economics, sociology, besides of Islamic literature.

It is pertinent to mention here that Iqbal in his writings he praises the intellectual integrity of ulema of high repute. He exalts Shah Waliullah (1702-1760) as a man of 'deep insight, "broad vision' and 'great theologian'. Iqbal was never ashamed of seeking guidance and inspiration from such ulema. In one of his articles, 'A plea for deeper study of Muslim Scientists' published in the Islamic culture, Hyderabad Daccan, April 1929, he refers his association with Allama Anwar Shah Kashmiri (1875-1933) in these words

On the invitation of King Nadir Shah of Afghanistan in 1933, poet Iqbal, with the poet Sir Syed Ahmad Khan and Sir Syed Salimullah, visited Kabul for proposed educational planning of that country. Unfortunately, these recommendations are not available, otherwise, it can enlighten and stimulate to realise some other dimensions of Iqbal's educational perspective. In his poet collection 'Zarb-i-Kalaam' (1936), he devoted one part of it for education.

During his observance of educational situation, two systems of education were in vogue in the world of Islam in general and in the Indian Sub-continent in particular. One was the traditional system represented by Deoband and Nadwaw, which had remained unchanged and took no cognizance of the new changes and developments. The other was the exclusive western or modern system endeavored by Sir Syed Ahmad Khan at Aligarh. Iqbal was dissatisfied with both. Taking critical view of the whole situation he resented whole sale acceptance and adoption of western system of education on the part of the people in the East. He subjected its inadequacies and its negative influences on the people of Indian Sub-continent. Who according to Iqbal are loosing roots in their cultural heritage. But he appreciated the scientific and technological advancement brought out by the west.

He makes his idea clear to the Eastern people that strength and prosperity of the west is not outcome of her **دانش** *musir* or of her **رقص** *raqs*, dances of the unveiled daughters. But their power and vitality springs out of her **دانش** *knowledge* and sciences. Similarly, he showed dissatisfaction with the educative role of conventional Muslim educational centers. For Iqbal, these institutions lack in fulfilment of current aspirations of Muslim society. Stagnation in religious thinking and lack of insight in the contemporary national and international issues, asserts Iqbal, are mainly the result of unquestioning acceptance of theological

Indian National Congress. Gopal Krishna Gokhley submitted a resolution of forcible and compulsory education for a bill to the Imperial legislative council. It generated discussion on wide ranging issues in educational and literary circles of India. Iqbal presided over a similar gathering in Islamia College Lahore. The word 'Jabri' was the centre of discussion. In this meeting various Muslim scholars disagreed with the resolution and considered it as unislamic. In his presidential address Iqbal fully endorsed the resolution and declared it as smallpox vaccine against illiteracy and termed it in accordance with the spirit of Islam. In the constructional process of Jamia Millia Islamia, he repeatedly made appeals for donations and maintained that all those who would associate with this noble mission manifest their role as 'Taleemi Mujahid'. Iqbal initiated correspondence with Sahebzada Aftab Ahmad Khan and Sir Ross Masood, Vice-Chancellors of Muslim University Aligarh and made recommendations about syllabus of graduate and post graduate classes and had discussed in detail the qualities of an ideal university teacher. These recommendations reveal Iqbal's wide knowledge of different aspects of academic importance. He took keen interest in the compilation of text books for post elementary classes. An Urdu text book title 'Urdu course' for 7th class students, (Published by Gulab Chand Kapoor and Sons Book Sellers and Publisher Anar Kali, Lahore, 1924) speaks Iqbal's perception of curriculum. In its introduction he has outlined essential features of a purposeful curriculum and substantiated the view point from his own couplets.

میں نے سر، ان شہر خوب سے بہتر  
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا  
میں نے سر، حیاتِ ابدی ہے  
یہ ایک نفسِ یارو نفسِ مثلِ سر کیا

'O, men of vision, it is good to have an eye for beauty,  
But what is the eye of that fails to grasp the reality of things  
Art yearns for immortal life;  
What good is existence for a breath or two like a spark"

national character which character reflects the national character. He says, "And for a truly national character, you ought to have a truly national education."

Although Iqbal has not put forward any specific educational technique or methodology, yet his educational ideas are philosophically sound, methodical and very deep. He has practical implications. Iqbal has propounded his views on the right kind of educational activity viz, aims of education, curriculum, role of teacher, methodology of teaching, etc. He had the ambition to have an up to date time honoured system of education replacing the old system of uncompromising character. Iqbal belongs to a select class of scholars of Islam in history who in their dedication attempted to reconnect the broken links of various aspects of education in an organic whole. In this context, the educational ideas of Iqbal seems in harmony with the ideas of Al-Ghazali (1053-1111), Ibn-Khaldoun (1332-1404), Shah Waliullah (1702-60), Mufti Muhammad Abdunur (1842-1905), Maulana Abul Kalam Azad (1888-1958) and others.

Before the advocacy of his philosophy of life, he took interest in the contemporary systems of education in Indian sub-continent. He visualized a state of divergence between what existed already and was introduced by the British. His first paper on education entitled 'Bachchan Ki Taleem-o-Tarbiyat' Published in Makhzan 22nd June 1902. In it, he had formulated eleven principles of instructional technique based on the sound principles of psychology. He sees the role of ideal teacher in the purview of Sheikh Said's famous Persian couplet

خشتِ اول چون نهد مندرج      تاثر آید زو دیوار کج

at the end of the first brick wrongly,  
The entire wall will remain uneven".

His earnestness for compulsory education could be understood in the light of an important event in 1912. A senior leader of the

## Educational perspective of Iqbal

Dr. Tariq Masoodi

Educationists generally use the word 'Education' in two senses. In its broader sense it designates all the influences like physical, biological, ethical and social, which formulate the course of life of an individual and the nation, and in the narrower sense it goes on within the four walls of learning on conventional pattern. In any way, however, education is all embracing process and influences all aspects of the life of educand. So strength and vitality of a nation depends on its concept of education.

In this perspective Allama Iqbal, as a creative thinker catches our imagination. His critical and intelligent study of numerous subjects and issues concerning man and society. He expressed his ideas in the background of issues raised by the dominance of science and technology. As a versatile genius and visionary with pragmatic zeal and zest remained in perpetual quest for a perfect man. He introduced the doctrine of 'Khud' in a unique and heterogeneous way, constitutes an overall objective in his philosophy of education. Iqbal sees the essential role of education, in the development of originality, spirit of social orientation and preservation of cultural heritage. He further defines his view point in these words.

'Education like other things ought to be determined by the needs of the learner. A form of education which has no direct bearing on the particular type of character which you want to develop is absolutely worthless. I grant that the present system of education in India gives us bread and butter. We manufacture a number of graduates and then we have to send titled mendicants to Government to beg few appointments in the higher branches of service, what then? It is the masses who constitute the backbone of the nation, they ought to be better fed, better housed and properly educated. Life is not bread and butter alone; it is

- Ali Shari'at-ud-Din 1967 *Iqbal's poetry and Message* Dee, and Deep publications. New Delhi
- Asrarul Haq 1978 *A critical exposition of Iqbal's philosophy*, Aareeb publication New Delhi
- Farooq Barnabai Ahmad 2006 *Majmaad's conception of Tasawwuf: A study of Shiekh Ahmad Sirhna's doctrine of unity*. Adam publishers. New Delhi
- Hashim, Shateeq ur Rehman 1990 *Iqbal Ka Tasawwuf* Dzen sam. Book foundation, New Delhi
- Iqbal Mohammad 1974 *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* Kitab Bhawan. New Delhi
- Mohammad Munawar Dr 2010 *Iqbal and Quranic Wisdom* Adam publishers New Delhi
- Naveed Bashir Ahmad 2001.(ed) *Iqbal's Multiformity* IICP, Kashmir University.
- Qazi M H 2008 *Qibla' on Inner Religious Experience* Lahore, Pakistan.
- Stephen Hawking 1988 *A brief history of time* Bantam Books.London.
- Shah Adfar Rashid, Amir Sunail (6, April, 2012) *Iqbal -The Philosopher of Divine Message*. Kashmir images  
Internet: <http://www.kashmirimages.com/news/Iqbal-the-Philosopher-of-Divine-Message-2012-151x>, accessed on June 5, 2012.
- Suhail, Amir Adfar Sash (10 Nov 2011) *Iqbal: A quest for reality*. Rising Kashmir.  
Internet: [http://www.risingkashmir.com/news/Iqbal-102760\\_93](http://www.risingkashmir.com/news/Iqbal-102760_93)  
p=11, accessed on 2, June 2012

Dr. Farooq Barnabai Ahmad, Associate Professor of Sociology & Head  
Department of Sociology, Alkaram University of Kashmir. Mail at  
fbarnd@rediffmail.com, 9890071000



such persons can transform Iqbal's vision into reality and can valourously carry out the mission that Iqbal outlined as

*Biya ce khaakdan ra qursta saaz  
Jahann peer ra deegar jowan saaz  
Biya yek zarra az dardi aalam geer  
Ti girde bahshote javidaan saaz"*

*(let us wake up and reconstruct this clayey universe, let us regenerate this weak and age ridden universe....)*

The central thrust of Allama's entire message thus rebounds back to man himself. It is also highly pertinent to sociological schema to cultivate the goodness of individual that may ultimately culminate in an exemplary social hierarchy. As the similitude of man in society is that of brick in a structure, thus if the brick is properly designed and given desirable orientation it will lead to a desirable structure or otherwise lead to unstable and unreliable castle. Likewise if the characteristics of '*Mard-e-Moomin*' as outlined by Allama glibly hitherto are infused in pragmatic fibres of our lives then it is no difficult to think of a world that will be ruled by the impulse of harmony and compassion and not by brutality or barbarism and the longing for such a harmonious world that has been dreamt of since the inception of civilization will come to fruition.

## References:

- Abdul Hakeem Khalifa 2008 *The Metaphysics of Rum*. Adam Publications. New Delhi
- Abdul Hakeem Khalifa 1997 *Islamic Ideology* Adam publishers. New Delhi
- Abdul Hakeem Khalifa 2002. *Fiqr-e-Iqbal* Educational publishing House. Delhi.

and a "perfect man" (al-insan al-kamil) who is too great, worthy, and respected to permit a human condition. With regard to his philosophy, it must be borne in mind that Iqbal was not a hypothetical idealist; he declared a rather new philosophy in the true sense of the word. He did not say things for the sake of saying them, nor even for the sake of self-satisfaction, intellectual or emotional. He had a definite and practical purpose in view and was moved by the fire of intense desire to bring this purpose to fruition. His ultimate ideal was the renaissance of Islam, for which he required conscious, determined and valorous humans. For this noble cause he framed his philosophy of self as opposed to Western philosophers, of whom Akbar says:

Faislay ka Barzakh, aur nah khudkhah nah  
Dunya o sa, para rah hi, aur sirat-e-taqwah

As an indispensable thread of his philosophical fabric *falsafa*, Iqbal's ego perpetually infuses in man the spirit of conquering external world and to make it subservient to his ego. Iqbal designates himself a *Sufi* (Having *dayyah* in *Silsila Qadriyah* with Qazi Sultan Mahmood of Adan)<sup>1</sup>, Iqbal always preached to fight with the evils of world and to conquer all the stumbles that come in way of self-discovery instead of turning away from it and to adopt the escape route of seclusion.

But all this appears mythical in absence of any concrete way to materialize this philosophy of selfhood. Obviously the strengthening and stabilizing of the basic feeling of '*Khudi*' is a very difficult task to undertake unaided. To tread this path of progress a 'Perfect Man' is needed as a guide. Having found such a guide, the wayfarer must have in our heart an intense love ('*Ishq*') for such a guide, for only he can show the wayfarer how to make his own effort fruitful by strengthening his own *khudi*. Only,

---

<sup>1</sup> Reported by Syed Ahmad Khan in *Durr-e-Rasid*, Vol. 2, Pt. 1, Ch. 1, P. 110-11.

## Last Word

While wrapping this discussion on *falsafa-i-khud* and the reality of *Adam* (man), it will not be out of context to mention that as clear from the whole text it immediately follows that Iqbal was an absolute rejectionist of the “mechanistic interpretation of life”. The picture formulated by Laplace in Newtonian pristine that man, like inanimate objects is purely governed by the laws of mechanics was not acceptable to Iqbal (r.a). The theory of determinism, applied to man as Stephen Hawking puts it “there should be a set of scientific laws that would allow us to predict everything (including human behavior) that would happen in the universe”<sup>30</sup> was out rightly abhorred by Iqbal. On the contrary Iqbal believed that man was not merely materialist in dimensions. Iqbal opined that besides his biological, psychological and physical aspects, the most important dimension of man is his spiritual dimension. Iqbal viewed that in man’s very existence there is a corpuscle of divine light (*For which he used the word khudi*), whose discovery can escort man to the pinnacles of universe and whose negligence can bring him down to the standard of beasts. As Zauq, a famous Urdu poet says

*“Gotay Tou Bas Ek Mishit Par Hai Insaan  
Bade tou wusata, kounain mai samma na sakte”*

This, in Iqbal’s view is the reality of man, the man in whose cause the whole creations came to being but who has become negligent of his own being. The man who bears no similitude in the multitude of creation has destroyed had defamed his personality via wrong doings. The man, to whom angels paid homage has become a symbol of evil. The man who has the potential to conquer the apical ranks in spiritual world has touched lowest ebbs of evil hood. To lead man out of this gloom Iqbal formulated his philosophy of selfhood which he sought as the remedy of all ills that had rotted the roots of humanity – ethics, religion and cultural.

---

<sup>30</sup> Brief History of Time, Bantam Books, London, P 57



The ideal man / *Al-Insan Al-Moo* is a being who is transcendental or 'eternal self' (Rooh)<sup>29</sup> which is created eternal and divine. To elevate his material, earthly and mortal 'self' he tries for the free conscious & deliberate merger of his will with the will of god in the ultimate relation of love and for the cause of attainment of eternity, immortality and infinitude. It is of such souls Quran speaks

*"Ya ayyatuhan nafsul mutmainnah, rqi'e ilaa rabbika raz, ottam marziyah.*

Iqbal wants to take Individual's khudi unto this spot. He is himself conscious of this stage and appreciates its worth by saying

*Khudi ko kar bannafsetna k'ar taqdeer se penle  
Khood bande se khud pooche katta taar razza kya?*

But an important fact about this merger that it is not lead to the annihilation or destruction of individual "selfhood" into the divine ocean like a drop of water merges with an ocean and loses its individuality, rather this philosophy aims to eternalize and strengthen the mortal self of man. To put in refinery words Iqbal advocates that the destiny of man is not 'fanaa' but "Baqqa", which can be achieved by merging finite ego (*ana'i mahdood*), with the infinite ego (*ana'i mutaliaq*). As Alama states in *Zaboor- -Ajam*,

*'Ba baharsh gum shudan anjaam ma niest  
Agar o ra dorr geeri fanaa niest"  
Khudi andar khudi ganjod mahool ast  
Khudi ra ainiss khud boodon kamaal ast".*

<sup>29</sup> *Rooh* is a positive term used in Islamic literature. It is a spiritual feature of human nature, whereas *Nafs* is a negative word used in Islamic literature and is an equivalent of "instinctive self". Both the *Rooh* and *Nafs* are a part and parcel of human existence in accordance with the Quranic statement *La yuqalibul taqwaala wa taqwaala*.

"Sarwan zeba jagat us zaati be himata ko ha,  
Hukumraa hai ek wahi, baki butooni oozri"

Secondly, the *Mard-e-Momin* is a pragmatic equivalent of Quranic notion. The commandments and prohibitions of Quran appear to him as his own desires. He does not deem Quranic dictions as forced injections but as his own desires. Thus Iqbal's philosophy of selfhood is not far excelled to Nietzsche's 'superman theory' and Iqbal's *Mard-e-Momin* is not akin to Nietzsche's superman, as was said earlier that the influence of Nietzsche's 'superman theory' on Iqbal is undeniable but as opposed to Nietzsche's 'superman' which is the mere an imaginative fabrication and a mere outcome of biological and physical forces *Mard-e-Momin* is essentially spiritual in nature and stands above the physical, biological and psychological confines. With regards this contrast and comparison Dr E. A. Naeem elegantly maintains

It is true that Iqbal was influenced by Nietzsche's 'superman theory' but we must not lose the sight of the basic difference that existed between Iqbal's conception and that of German philosopher. In Nietzsche's philosophy, there was no place for higher moral order operating, there was no check by of a noble way, a life-giving influence exercised by a comprehension of religion and hence his philosophy of superman could easily degenerate into a monstrous doctrine where power was not a means to something greater but in end in itself. Iqbal's conception did not provide for the Nietzschean superman but for what may be called *Mard-e-momin* (the true Muslim) the vicegerent of God on earth, who always owes his allegiance to Allah, but whose soul through prayers and good deeds, has reached a state where even apparently impossible achievements are possible or accomplishment.

position in the trio of God, universe and man. Man's coordinate on the axes of complexity appears to be higher than the external world. Man is distinct, distinguished and superior to other creatures. He possesses the might of all weapons i.e. mind (provided it is used in correct direction) with which he can touch the ebbs of oceans and zenith of skies. When seen from different quadrants man appears to be the most complicated machine in the world (Biologically), the best of creations (As per Quran) the ambassador of divinity (By functions), treasure of secrets (spiritually), and above all "the final cause of creation" (Teleologically). Thus it becomes amply clear that even an exploration of a single dimension of Man's personality opens doors of infinite knowledge wisdom, and answers a plethora of conundrums. Maulana Rumi pertinently asserts that

*"Bul boshar ko ilm ul isma bug ast  
sod hozara ilmish andar nar rag ast".*

*(Man is bestowed with total knowledge and in his every cell there are treasures of wisdom)*

## 8. Khudi and Mard-i-Moomin

Iqbal had an impeccable insight that, if man once successfully explores the secrets of his self, realizes his real being and constructs his selfhood he becomes an ideal man, whom Iqbal recognized as "Mard-i-Moomin" and whom he symbolized by the king of flight "Shaheen". Thus *Mard-i-Moomin* conquers '*Asfala Sofraeen*' by assessing the infinitude of potential that lies in his constitution and attains the stature of "Ansari Taqween". This ideal man, as Iqbal's standards demand is a product of spiritual, ethical and Quranic forces and abides by the monotheistic code of conduct and accepts the supremacy of only one god Allah. This Mard-i-moomin fully acknowledges that -





But the essential thread in the constitution of man that links man with his own and connects the mortal with divine is called *Faqr*, which Al-an says: *Aufa al-faqr min al-rum* and thus that *adfa* in man there is a permanent aspirative divine element which can't be bifurcated from man's constitution. Has it not been well said:-

*"Aadam aadam mat kahou ,aadam khuda nahin  
Lekin khuda ke noor se aadam judaa nahin".*

Thus if *adfa*, as articulated by *qad* is in some sense related to soul, then like man's ego is unbound in terms of its potential capacity and a receptivity to divine realm and provides man the direction that may lead him to his lord. Dr. K. A. Hakeem in his doctorate thesis 'The Metaphysics of Rumi' says

"When man, in his innermost essence, is always divine, because it is the spirit of god that is the essence of his soul and when the realization of this divine life in this very life is possible, then it followed logically that man having realised his ideal self becomes the source of infinite power and knowledge"<sup>21</sup>

And if this ego *Tu khuda* of *Arampo*, is a part of consciousness and a part of thought process, then it is the precedent in proving man's superiority over other creatures and as such can be related to the

Quranic diction of '*wa allamal aadam-a asma'a kulaha*' in this vein Gh. Mohammad Chagala in his paper 'some aspects of Iqbal's thoughts' writes,

'Man is superior because he is 'aware' of his superiority to the sub-human kingdom through knowledge born of higher understanding and conceptual power (*Idrak*)'<sup>22</sup>

---

<sup>21</sup> The Aspects of Iqbal's Thought by Ghulam Mohammad Chagala, p. 12, 13, 14, 15, 16, 17

<sup>22</sup> Some Aspects of Iqbal's Thought by Ghulam Mohammad Chagala

the philosophy of selfhood, and justifiably, demanded a further requisite and discovery of self-meaning, that to know God man should first know his own self. He thus writes:-

*Tar-ghat-e-mer sabit nahi hai ki Allah hai*  
*Meri nigah mai sabit nahi wajood tera*  
*Allah hai, lekin taqat-e-Allah kisi ki nahi hai*  
*Kar apni fiqr ki jowhar hai bai namood tera"*

By all this the similarity or adumbrative correspondence between man and God is not implied as has been misinterpreted man, at times it must be made clear and taken as the prologue of Aflama leba's philosophy of selfhood that man is earthly, by constitution limited by physical abilities and is finite in terms of space and time.<sup>21</sup> There is no similarity what so ever between man and Allah from biological, physical or psychological point of view. The being of Allah stands beyond cognition as such and because of infinitude of his qualities he lies beyond the ordinary objects of perception. Any attempt to put creator and created on equal footing ends in jeopardy, in any of the respect the two can't be equivalents of each other neither can man be termed as an adumbration of that divine being, whom in existence is beyond the beyond and again beyond the beyond and whose existence lies beyond our sphere of tangibility. Khalifa Abdul Hakeem while dealing with this subject argues,

*"According to the Quran, man is a lowly creation to whom even the angels were asked to pay homage, but still he is a creature neither identical nor co-eternal god".<sup>22</sup>*

---

<sup>21</sup> "The origin of things is not in any form as Aflama himself says "it is not the origin of thing that matters it is the matter". Reconstruction of religious thought P.100

<sup>22</sup> The metaphysics of Rumi P.5

a bunch of egos or singular spiritual particles which possess their own individual existence and statuses of ego-hood, they mutually interact with each other and are ready to sacrifice their individual ego-hood when it comes to the question of collective social ego. Iqbal (r.a) regarded these ego particles as corpuscles illuminated by divine light. These particles of ego are the building blocks of human consciousness. Iqbal says in *Asrar-i-Khud*,

"Jowhari Nooriest Andar Khak-i-tou  
Yek sha a'ash jalwaye' idraak i tou".

(In you there is a corpuscle of light and your intellect is out of that light)

In this regard no other term than the spiritual pluralist can be more befitting to Iqbal. In connection with his philosophy of discovery of self Iqbal believed that the ego, consciousness, thought or soul are milestones in the path of discovery of "ultimate being". In analogy with the "worm holes"<sup>20</sup> of modern cosmology, Iqbal realized the role of man's self-realization as a feasible & traversable route to get connected with divine world and to develop an insight about the real constitution of this universe. Iqbal argues that man's soul is of divine origin and is transcendental in nature and in "*Aalam-i-Arwah*" was in proximity to his lord. Thus this connection of soul with divinity makes Iqbal to proclaim that it is quite possible to awaken in man the same quintessence of his existence and the originality of his creation thereby to reconnect him with that divine world. As Faiz says:-

"Ma' ta r qudseem nawa ra'na Shinasaem  
Murgi malquutaim hua ra'na Shinasaem"

---

<sup>20</sup> In physics, wormhole is a hypothetical topological feature of spacetime that would be fundamentally a shortcut in space. The latter term was referred to the book "The Case for Reality" by Roger Penrose or "The Black Holes" by Stephen Hawking. For more on other book on common man cosmology

consciousness as given by Iqbal in terms of  
"the continuous flow of consciousness" (to be compared with  
the "continuous flow of matter" in the scientific concept of  
"the continuous flow of matter")

"Har kara bashad zisena fath-e baab  
O ziharr zarra, ba beenad' aaftaab"

(The heart is the key to the door of knowledge, O atom")

The concept of the continuous flow of consciousness to Iqbal is an  
extension of the concept of matter that he has. "Every human being  
is a continuous flow of consciousness" (The philosophy of  
Iqbal is also based on Leibniz's theory of monads  
which is to be understood as a perpetual, living mirror of  
the universe. Leibniz says that nothing in the universe is obsolete,  
dead or for ever dead. He recognized body as a collection of  
individual capacities of perception termed as monads. According  
to him, the world is made up of monads. And as such, there is  
no real difference between body and soul. The difference is only  
in the degrees of perceptual abilities of monads. Iqbal says in this  
connection that:

"The world is a continuous flow of life. But of course there are  
times when the flow of life is interrupted. The flow of being runs the  
course of ego-hood until it reaches its perfect end."

It is from here that he derives the fact that Leibniz held independence of  
monads, which is to be viewed in interdependence of egos. The  
philosophy of Iqbal is a philosophy of continuous life and it is  
in this sense that Iqbal holds that the whole universe is

---

The Philosophy of Iqbal

\* The Heart is the Key to Knowledge (Iqbal) by A. Iqbal P.71-72. Kitab  
Maktaba, New Delhi.

scientific revolution. It is thus no wonder that while answering the age-old question of reality, of existence and the interrelation between different vertical sections of existence (like matter, spirit, nature and God) Iqbal formulated his philosophy of psychology, picture of universe, that maintained the concept of 'sacred Atomic consciousness' and that was, in fact a reproduction of Maulana Rumi's thought. To put it in Professor Ansari's words

*'Every object according to Iqbal, however low in the scale of existence is an ego'. This is to say that matter is conscious at its very fundamental level and the degree of consciousness increases as the matter moves from simple to complex forms. In Iqbal's view, the final ego of man is organized from a colony of sub-egos with a lower order of consciousness. To quote Alama,*

*'Matter is a colony of egos of a lower order out of which emerges finite life & consciousness of a higher order when their association and interaction reaches certain degree of complexity'<sup>17</sup>*

Certifying the validity of this assertion Dr. M. H. Qazi in his masterwork book 'Iqbal on Inner Religious Experience,' writes

*'This claim, in a way, receives eminent support from the well established biological principle of ontogeny, repeats phylogeny meaning thereby that the individual during his embryonic development recapitulates the morphological characteristics of its ancestors. Iqbal's jargon interpreted in modern diction of biology, simply means that it is through recapitulation of sub-egos (Phylogenetic characteristics) that the final ego emerges and this happens under the directive energy (Amr of Allah)''<sup>18</sup>*

---

<sup>17</sup> A Collection of Essays of Iqbal, ed. by Prof. M. H. Qazi, Al-Farooq Publications

<sup>18</sup> The Reconstruction of Religious Thought in Islam

<sup>19</sup> Iqbal's psychology is discussed by Dr. Afroz Ali Khan in his book 'Iqbal's Psychology', which provides a solid psychological support to Afroz Ali Khan's doctrine of self. The book is of particular



*night, the clouds, the starry heavens & the planets swimming through infinite space".<sup>12</sup>*

It reflects that we must be thoughtful, inquisitive and keen observers even of the natural phenomenon that occurs in any part of universe (external or internal) and covering any scale of magnitude ranging from quarks to galaxies. The recurring emphasis on knowledge and superiority of knowledge in Quran testifies the same. Thus while as there can be no question on the fact that the "knowledge of self" is an optimal state of learning, but it does not undermine the study of external universe. As Quran explicitly states that there are signs of Almighty in external (*Aafa'aa*) as well as internal (*Anfus*) realms and thus emphasizes knowledge of both the domain. But it is undisputed that "self-knowing" is the climax of human intellect and is superior to the knowledge of external world because "*Mann Arafa Nafsunu Faqad Arrafa Robbahu*" i.e. the knowledge of self is a manifestation of knowledge of Allah whose acquaintance is a focal execution expected from human existence. It is at this crossroad that the intellectual acumen and spiritual insight of Iqbal comes into play. Being well versed in eastern, western, ancient and modern philosophies, pure Islamic Sufism as well as with Quran, Iqbal appreciated and himself gained both the knowledge of exterior as well as interior worlds and in fact harmonized, correlated and sought an element of justification of one realm from the other. He sought it essential for a Muslim to acquaint himself with the knowledge of external as well as internal world. This he realized was not possible without a concrete availing of nihilism and awakening in Muslims the spirit of action. Thus as a part of pragmatic aspects of his philosophy at first place Iqbal appreciated and provided logical and pragmatic proofs in support of existence of matter, body and spirit deriving evidences from Quran, psychology and the physics of his time. Equivalently, Iqbal

---

<sup>12</sup> *Ma'arifaat-e-Iqbal*, (Lahore: Ma'arifaat-e-Iqbal, 1997), p. 10.





prevalent meaning of the word. Dr. Farman clarifying the same concept writes that, 'The word *Khudi* (self realization) as used in Iqbal's philosophy of life does not symbolize ego or pride or the prevalent meanings of Urdu or Persian. In Iqbal's context the word *Khudi* means realization of latent potential of self and to explore the embedded capacities"<sup>6</sup>

But the prevalent meanings of this word "*khudi*" with all their negative inclinations have caused much chaos in grasping Allama's message. Attesting this misnomer associated with the word *Khudi* Gh. Mohammad Chagla very pertinently asserts,

*"One cannot help remarking that this term 'Khudi', which Iqbal uses in a highly technical sense, does not appear to have been happily chosen, because of its other, commoner connotations such as pride conceit, etc. It is unfortunate that the use of this term has given rise to much misunderstanding and even wrong interpretation of Iqbal's basic thought by many superficial readers."*<sup>7</sup>

Under the ambit of philosophy of selfhood Iqbal made man the subject as well as object of his appeal. This goes without saying that, man forms the prelude, interlude and conclusion of Iqbal's thought. Human personality, its reality, its potentialities, its dynamics and dimensions its creative evolution and its apogees of existence are the foci of Allama's poetic collections of *Arshaar-i-Khudi*, *Ramooz-i-Bekhudi*, *Gulshan-i-Raaz-i-Mahadi*, *Bang-i-Darra* and its allusions are found in his prosaic works like *Reconstruction* and *The Evolution of Metaphysics in Persia* as well.

<sup>6</sup> *Some Aspects of Iqbal's Thought*, Dr. Farman Ali, published by the Pakistan Council for Research in Islamic Culture, Karachi, P. 69

<sup>7</sup> *Some Aspects of Iqbal's Thought*

important to take into account the fact that Rumi's notion pertains to a different aspect of human nature. That the capacity for action and emotion is essentially associated by nature depends ultimately on the conviction that khudi (selfhood/individuality/personality) is real and is not merely an illusion of the mind.<sup>1</sup>

The philosophy of self (selfhood or *fu-sofa* / khudi or simply *khudi*) to be concise is an emblem of Alama's message and a one word substitute of his entire philosophical lexicon. In Iqbal an pristine *khudi* in simple words symbolizes realization of self, i.e. recognizing one's ego, one's self sufficiency and the divine strands that connect creation with the creator. *Khudi* as Alama here means to realize, that man has a particle of divine light within him, which if discovered, can escort man to the apogees of creation and carelessness/negligence can confine him to the class of amoral bipeds.<sup>2</sup>

## 5 Psychological Dimension of Khudi:

Khudi if translated in psychological language is an advanced stage of ego, but not the ego in formal sense of the word that is characterized by pride and prejudice. This ego, as Alama also noted is not identical to soul in the traditional sense. Nor is it a rigid substance occupying space like a physical object rather it lies beyond the realm of space-time arena. Iqbal maintains that the reality of ego (self or consciousness) is too profound to be intellectualized and the present day psychology is beset with a number of hurdles to put the concept of khudi on experimental footing. But this experimental verification cannot sidetrack the practical side of this philosophy which is of high productive and pragmatic value that it attributes innumerable approvals to this thought of Alama. It is of premier worth to clarify that the use of the word khudi or equivalently translated as ego as used by Iqbal is not in any way related to the issue of pride/superiority complex or any other negative tendency and does not convey any other

---

<sup>1</sup> Two legged creatures devoid of values and ethics

the cause of this decadence, Allama correctly diagnosed that the whole-hearted welcome offered to Platonic picture of over-sensuous and non-existential universe caused unprecedented chaos in Islamic world. These doctrines denied the existence of matter and spirit and deemed life as an illusion and universe as mirage. In an attempt to vaccinate this virus of stagnation Iqbal neither found a tangible solution in Hegelian view of world which believed that matter was like an is and of ideas and spirit was the reality of universe. Nor was Iqbal's Quranic mindset satisfied by Marx's materialism that gave material interpretation to life. All these views, as Allama noted had created an ideological chaos in world and had imposed a status quo on the instinct of dynamism of human constitution. These ideologies had in particular created jargon amidst Muslim *Ummah* as well. Worstly these invalid views were serving as an escape route and were used as a precedent in Islamic world to oppose action "*Amal*" and in the support of seclusion "*Rahbanat*". But as Iqbal correctly diagnosed that such stance was at no cost feasible to Muslim *Ummah* and was totally alien to Islamic spirit that taught its followers the lesson of dynamics and perpetuation. Iqbal says -

"Maslihat Dar Deen Ma Jung-o-Shikwa  
Maslihat Dar Deeni issa Gaar-o-Koh."

(The teaching of our religion is perpetuation and dynamism. The teaching of Christianity, is seclusion and stagnation)

#### 4. Practical Utility of Khudi.

Allama while framing his philosophy of self-hood maintained a precarious equilibrium between material and spiritual aspects of life or to say between body and mind. As a part of his attempt to reconstruct the Muslim *umma* and as a part of his rejoinder to the non-beneficial doctrines of west, Allama came up with a dynamic and revivalist "philosophy of self" or "*Falsafa Khudi*". The prime instinct of this philosophy is its emphasis on "action" and the

and the human nature. He is a great thinker and in the human nature, he has embodied all the treasure of knowledge and information about every atom of universe. Who is Jalal al-Akbar? Akbar is called as discovery of self or *tameen-e-shakh*.<sup>2</sup> He is a great philosopher and thinker. His famous work, *Amr-i-Ham* 'Arad' is the closest word to describe that type of knowledge and who estimated the infinitude of potential man endowed with. In view of all these superfluous traits of man he has composed a closing poem *Maqalat-in-sha'ir* of his collection "Armugani Hijaz",

Amr-i-Ham, a picture of a man, a teddy bear, a nawab, a king

Mare hungama haaye nobanu ki intihaa kya hai"

*What is the picture of a creation? Even what lies beyond me?*

*There is, but, no, to my ever-perpetual and evolving tendencies*

He has aptly and precisely composed and depicts the Akbar's picture of man and his insight regarding the potential of human nature because it provides a tangible answer to all affiliated questions related to the purpose, destiny and reality of man.

### 3. Historical Background Of Falsafa-i-Khudi

In fabricating this philosophy of selfhood and answering the actual position of man in universe Akbar, in fact, was driven by the impulse of existential demands derived from fabric of ignorant philosophies of non-exentialism and nihilism as was maintained by some of the western philosophers. In fact during his tenure in Europe (1883-1900) he diligently carried out extensive study of Muslim, German and Islamic philosophy. In historical prism iqbal investigated the root causes that had led to the decadence of great Islamic empire and staged its glory. In course of investigating

29.

<sup>2</sup> *Amr-i-Ham*, a picture of a man, a teddy bear, a nawab, a king

<sup>3</sup> *Amr-i-Ham*, a picture of a creation? Even what lies beyond me?

<sup>4</sup> Idealism and nothingness

abhorred by Iqbal. He emphasized the spiritual aspect of man and in doing so he lifted man beyond physical, biological and psychological dimensions of cosmos. As per Iqbal man is an ambassador of Allah & is thus pertinently entitled to 'khalifat ul arz'. Though chemical in composition, he is metaphysical by constitution. His outer simplicity conceals his inner complexity and his biology shadows his spirituality. Conquering the cosmic frontiers at one end, man fails to comprehend his own existence at other end. Addressing this conundrum of lack of comprehension of man Iqbal says:

"Tilism-e-bod wa adim, naam hai, iska Adam  
Khuda ka raaz hai, nahī qadir is par sukhan".

## 2. Man in Iqbalian Purview

Akin to Quran, Iqbal made man the centre of his philosophy and poetry. Allama Iqbal's conception about the reality of human personality and the pedestal that man occupies in the hierarchy of creation lead him to the realization of macrocosm-microcosm apposition<sup>2</sup> and gave birth to the philosophy of selfhood that Allama himself dubbed as "*Khuda*". This synthesis was largely catalysed by Allama's approach to the tri-axial nature of man. This is to say in what relation man stands with respect to his outer world (outward axis) his inner self (inward axis) and his God (upward axis). This analysis trio of mind, body and spirit (as it is termed in philosophy) landed Iqbal into the realization that in this schema of tri-aterality man occupies prior co-ordinate<sup>3</sup>, where from other two elements i.e. universe and God can be assessed and analyzed. Iqbal very precisely gauged that in man there is

---

<sup>2</sup> "Macrocosm-microcosm apposition" maintains that man is micro universe and the shadow of external universe.

<sup>3</sup> That man is bestowed high priority in comparison to universe.

# Allama Iqbal on the Reality of Man: A Psycho-Philosophical Perspective

Dr Pirzada M. Amin

## Abstract

Allama Muhammad Iqbal is regarded as one of the most original and influential thinkers of 20<sup>th</sup> century. The distinct position that Iqbal occupies in the plethora of his contemporaries owes its origin to his expertise in eastern and western sciences alike supplanted by his Quranic comprehension. Though his philosophical or sociological dimensions are diverse however they all seem to converge at his concept of selfhood, which is the launch pad as well as the hallmark of his message. Since man forms the prelude, interlude and conclusion of Iqbalian thought. This paper carries out an analysis of Iqbal's philosophy of selfhood, tracing the chain of events that led to its formulation and the multi-faceted nature of this philosophy of selfhood. Moreover, the paper includes a brief discussion bringing forth the psychological dimensions and a comparative analysis of Iqbal's philosophy with those of western philosophers particularly that of Leibnitz and Nietzsche.

**Key Words:** Allama Muhammad Iqbal, *Fa so ja khwa*, *Mard-i-Mo'min*, *Selfhood* *Friedrich Wilhelm Nietzsche*, *Gottfried Wilhelm Leibniz*.

## 1. Introduction

There can be no dualism on the subject that Iqbal was the poet of Quran<sup>1</sup> and like Quran Iqbal made man the centre of his philosophy or message. Man is the subject as well as object of *Kalam-i-Iqbal*. It is the man himself and not his anatomy or physiology that concerns Iqbal. The picture of man as "biological machine" governed by Kantian philosophy of determinism was

---

<sup>1</sup> As Agha Ibrahim Ali remarks, "Iqbal was the poet of Quran & the Quran of the Poet".

<sup>26</sup> See Rashid Ahmad Jalandhari 'Islamic Shar'ah and its Application with Special Reference to Pakistan', *Al-Ma'rif*, Institute of Islamic Culture, Lahore Jan-June, 2003 Pp 30-33. Dr Javed Iqbal 'The Problem of implementing Iqbal's idea in Pakistan', *Iqbal Review* (ed Muhammad Sahil Umar), April, 1999 Pp.18-19 and even Dr Shahid Iqbal Kamran forms a good analysis of Iqbal's legal theory vis-à-vis legislative developments in Pakistan in his, *Allama Iqbal, tinad aur Islami Jamhuri Riyasat*, *Allama Iqbal ka Tasawwur- Ijtihad*, Iqbal Academy, Lahore, 2008. Furthermore many essays on the views of legal thought had appeared in magazines weeklies of Pakistan particularly during the last three decades seem an important development about the subject yet due to their non availability the present author any comment on them can hardly be made here.

<sup>27</sup> Parviz Rehmani and Muhammad Arshid, *Hindustani Musalman*, Dawat Publications, Delhi, 2001.

<sup>28</sup> Its publications like *Tabbi Ikhhlaqiyat*, *Fiqhi Faislay*, *Masa'il Zakat*, *Masrafi Zakat*, *Ishrat i Nikah* and *Juristic Decisions on Contemporary Issues* are few examples of its legal and academic writings.

<sup>29</sup> *Mujma' al-Fiqh al-Islami al- Dauli*, Jeddah; *Al-Mujama' al-Fiqhi al-Islami*, Makka, Fiqh Council of North America and European Ifta Council are few such centers devoted to fiqh activities in the present times.

121), if it is by Sir Muhammad scholar names far come to the notice of the present author.

122. Sir Muhammad. *Monism and Theoria of France*, Idara Adbiyat, Delhi, 1991.p.88.

123. Sir Mohammad. Iqbal op.cit. p.174.

124. Ibid

125. Ibid p.175.

126. Ibid

127. Ibid. 176.

128. Muhammad Ahmad Iqbal. *Discourses of Iqbal*, (compiled by Muhammad Hussain Razaqi), Iqbal Academy Pakistan, 2003, p.119.

129. Ibid. p.163.

130. See Mohammad Arshad's 'Islam R'yasat May Qanun Sazi aur Ijtihad R'vayat aur Jadidiyat ka Tanazur May', *Fikr wa Nazar* vol 44, Jan March 2007, Idarah Tanq qati Islami, International Islamic University, Islamabad pp 74-75

131. Sir Mohammad. Iqbal ,op. cit. p.174.

132. See Mohammad Arshad, op.cit. p 74 and Muhammad Suhail Umar Khattab, *Iqbal Naya Tanazur May*, Iqbal Academy, Lahore, Pakistan, 1996, p.147.

133. Muhammad Khalid Mas'ud, *Iqbal's Reconstruction of Ijtihad*, Iqbal Academy, Pakistan 199 p and Institute of Objective Studies, Leiris seminar proceedings, *Ijtihad aur Masa'il-I-Ijtihad* 1998 particularly its articles of Dr Abdul Azim Islahi and Prof A R Momtaz on the collective Ijtihad

134. On March 12, 1948, the Govt of Pakistan moved a resolution in the Assembly to declare that the future constitution would be framed on Islamic guidelines. It is known as 'Objective Resolution'.

135. Dr Mohammad Amin, *Islamisation of Laws in Pakistan* Sang-e-Meel Publications, Lahore. 1989, p 35

136. Ibid. 45-49.



## References and Notes

- <sup>1</sup> Fakr al-Din ibn Muhammad al-Bazi, *Mahsul fi Ilm Usul al Fiqh* Ed. Taha Jabir Fayyad al-Alwani, Riyadh Vol 4, p 35
- <sup>2</sup> Al-Qur'an, 4:59.
- <sup>3</sup> Ibid, 4:115.
- <sup>4</sup> Ibn Majah, Hadith no 283, Vide Maulana Khalid Saifullah Rehmani *Qamus al Fiqh*, part I Kutub Khana Nayeemiyah, Deoband (UP)
- <sup>5</sup> Taha Jabir al Alwani, *Source Methodology in Islamic Jurisprudence (Usul al-Fiqh al-Islami)*, International Institute of Islamic Thought, London, Washington, 2003, pp 11-12
- <sup>6</sup> Sir Muhammad Iqbal *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* Kitab Bhawan, Delhi p 173.
- <sup>7</sup> Ibid.
- <sup>8</sup> Sir Mohammad. Iqbal, op cit. p.174.
- <sup>9</sup> Ibid.
- <sup>10</sup> This work of P. Agnides is actually his Ph D thesis submitted to Columbia University, USA and has been first published from the same university in 1916. Rehmat Ali Khan, who was president of American Muslim Association and had active interest in Islamic subjects, sent the book to Allama Iqbal through Dr. Abdullah Chughta' in 1923 for comments. As Iqbal was already interested in the subject of *ijihad*, the book might have stimulated him more to look into it and that resulted his writing of the article/ lecture on *ijihad*. Even though P. Agnides book touches important the neo-Islamic jurisprudence and theories of finance-- yet unlike the works of Schacht, Couson and Watt no extensive critical

on the one hand, a major role in the development of law (Shariah) and the need to ensure the development of the law of Islam (qada) on the other. Iqbal was much concerned with the re-interpretation of Islamic law in the modern times and discussed its sources particularly third source (ijtihad) in a broader manner. He held that though academically debated much, ijtihad seems to have remained merely an idea in post khilafah al Rashidun period and could not emerge as an institution. Iqbal concentrates much on its operative and methodological part and suggest the need of its realization through legislative assembly wherein both ulama and modern scholars have role in the legislation of Islamic law. He is also in favour of forming the council of ulama to guide or check the legislation that takes place in the assemblies of non-Islamic countries specifically related to the Muslims. Iqbal formulated these views while appreciating some patterns of republican and democratic parties emerging in both the Muslim and non-Muslim societies. He thought that if collective ijtihad or ijtihad will be exercised through assemblies with due consideration of modern developments and needs, the socio-legal viability of Islamic Shari'ah can become more apparent. Although Iqbalan approach to ijtihad was not well received by many traditional ulama, yet it made some new roads in the development of institutionalization of ijtihad in most parts of the world. Today, collective ijtihad is much encouraged through the activities of Muslim councils, academies, mashawirah boards and advisory bodies that not only make the Shariah rules to move forward in a good direction but also paves the way for the recognition of due place and rights of mankind at large in the world of homogeneities and heterogeneities.

Islamic Research Institute Islamabad worked considerably towards this direction of amalgamation of education and law in Pakistan. It is secondary that how much these institutes which in one way were the agencies of collective *ijtihad*, contributed to formation or legislation of Islamic laws in the state yet they bore direct or indirect influence of Iqbal's legal theory.<sup>26</sup>

In the post independent India too, a considerable development took place with regard to promotion of collective *ijtihad* through establishing institutes of Muslim character to deal with the problems collectively relating to educational, economic, communal, personal law issues. All India Muslim Mashawarat, a board of Muslims comprising *ulama* and elites from various domains, looks into the issues of Indian Muslims faced by them in the country.<sup>27</sup> Similarly, All India Fiqh Academy, Delhi is extensively devoted to this mission of inviting scholars of *madaris* and the other relevant experts and academicians for deliberating on the emerging social, economic, political, bio-medical issues, in their conferences and seminars to seek the proper solutions of them. Till now hundreds of issues have been discussed in these conferences and a more than fifty books also, containing these legal discussions and decrees, have been published by this academy.<sup>28</sup> It has not added only to the development of fiqh literature in India but made a commendable contribution in integrating Muslim community to move it forward peacefully and progressively. Such academies have been founded in Arab and the Western countries and they are working in their own way towards this goal of addressing the emerging issues collectively.<sup>29</sup> All this seems a continuation of Iqbal's formula of promoting collective *ijtihad* if not a parliamentary kind of *ijma'*.

## Conclusion

From the above discussion it becomes clear that *ijma* serves as a basic source of Islamic legislation wherein the qualified



Physics and Medical disciplines for their proper understanding of the issue in question. By integrating all such requirements, collective *ijtihad* becomes preferable to that of an individual. It does not, however, mean that an individual's *ijtihad* has no value in the present times. Individual *ijtihad* must go along with the collective *ijtihad* to resolve the emerging issues of the society.

Although the broader basis of *ijtihad* is highlighted by Iqbal in terms of its comparative jurisprudence education yet his seeking of parliamentary *ijtihad* as a means of *ijma'* in the present times could not receive much appreciation in the scholarly circles. A good number of scholars are not in its favour as they think that modern assemblies even those where Muslims have full strength, hardly fulfil the conditions of *ijtihad*. According to such scholars only those persons can exercise *ijtihad* who are well versed in Islamic sciences and well known for their piety. While as only few scholars hold that it can be possible when the members of the assemblies fulfil the required conditions to this effect.<sup>99</sup> Notwithstanding this, Iqbal's view about this method of *ijma'* made its impact upon the subsequent legal thinking in terms of state legislation in Pakistan after it got declared an Islamic republic.

## 5. Prospects of Iqbal's Views

According to Iqbal, *ijma'* emerged as a viable institution of Muslim society after the pious *khulifah* and remained rather an idea. He seeks its realization in the contemporary times through legislative assembly where *ulama* may also participate in legal discussions along with the other members of the assembly.<sup>100</sup> This raised many controversies among the traditional as well as modern Muslim scholars about the nature and qualification of *ijtihad*.<sup>101</sup> Primarily, such mode of *ijma'* was not possible in the Indian context where majority of assembly members were non-Muslims and even in the Muslim countries, the members could not fulfil the conditions of *ijtihad*. Unlike Iqbal, such scholars view *ijtihad* as a

Aligarh, where the latter's university was training the syllabus for Islamic Studies is of great importance. It reads as follows:

Coming to our fourth object, i.e. the study of Muhammedan Law and Legal History, we should pick up more brilliant men from Deoband and Luknow, who appear to possess a legal mind and disclose a special aptitude for legal subtleties. In view of the fact that the whole system of Muhammedan Law stands in need of constructive readjustment, we should give them a thorough grounding in modern Jurisprudence and principles of legislation and perhaps also in modern Economics and Sociology. You can make them LL.Bs if you like and then permit them to pass through Arnold's course, which will have to be shortened in their case also. For instance, they may be required to attend lectures on such subjects as Muslim Political Theory and Development of Muslim Jurisprudence. Some of them may be allowed to take up the profession of law. Others may accept your University Fellowship and devote themselves to legal research work. The present state of the administration of Muhammedan Law in this country, is simply deplorable and there are difficulties, which can be solved through legislative agencies only. Muhammedan professional lawyers thoroughly well-grounded in the principles of Muhammedan Law will be of greatest help both in court and council.<sup>18</sup>

The letter highlights the way to produce worthwhile jurists and legal scholars, who shall be useful both in court and council affairs. Collectively, they demand multi-faceted knowledge from such scholars. This *qit'ah* also implies that under the new situations the legal solution of the social issues require the opinions of experts from various sciences like Political Science, Economics, Psychology,

sphere and to combine it with an intelligent study of modern jurisprudence.<sup>16</sup>

Thus both 'ulama along with modern educated scholars form a part of legislative assembly. This is possible in Muslim countries but it seems hardly practicable in non Muslim countries like India. Hence Iqbal suggests the formation of the council of 'ulama in which are included Muslim lawyers who will be well versed in modern jurisprudence. This is propounded in his historic presidential address at the annual meeting of the Muslim League in Lahore on March 21, 1932 as following:-

I suggest the formation of an assembly of *ulama* which must include Muslim lawyers who have received education in modern jurisprudence. The idea is to protect, expand and if necessary, to reinterpret the law of Islam in the light of modern conditions, while keeping close to the spirit embodied in its fundamental principles. This body must receive constitutional recognition so that no bill affecting the personal law of Muslims may be put on the legislative anvil before it has passed the crucible of this assembly.<sup>17</sup>

#### 4. Reform in Legal Education

Iqbal visualizes the complex nature of the new problems which can be solved only through grasping their multidimensional aspects. On the other hand, an *'alim* who obviously comes from the traditional *madrasa* can hardly comprehend all the aspects of socio-economic or political issues of modern times. Hence a comparative knowledge of jurisprudence particularly the Western along with Islamic jurisprudence is genuinely emphasized by Iqbal. It is possible, according to him, when a reform will be made in traditional legal education of Islam. Iqbal's precise suggestion regarding the reform in legal education which he makes in his letter to Sahibzada Aftab Khan, the then Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University

the Companions (رضي الله عنهم) who are still alive form a part of the Quranic legislative assembly. The Companions who have died have already decided on the issues and are part of it. The second type of decision is on the matters which are not always binding for later generations and the Companions of the first group may not be held responsible for the decision of the Companions on a binding issue cannot be cleared by the Companions themselves. However, difficult to ignore the Companions is not even on an hypothetical basis. It is better if it is not hypothetical, it is noted that it can be solved through the fresh consultation of the Companions that matters much and is widely acceptable.

### 3. Parliamentary Ijtihad as a Means of Ijma'

Iqbal suggests that power of *ijtihad* is to be transferred from individual *muftis* to the legislative assemblies and terms it the *parliamentary ijtihad* in the modern times. It makes an attempt to illustrate the qualification of such members and practical application of the legislative decisions in the Indian context. To him 'even a lay man who happens to possess a keen insight into affairs can participate in the legislation of Islam'. He does not however exclude *ulama* from this process and recognizes their special role in guiding and promoting the discussion on matters relating to law. In other words they form a part of the assembly. To make this idea practically viable, Iqbal seeks reform in legal education. He amplifies that to secure from erroneous interpretation of the Shariah it is necessary that Islamic legal education in Muslim countries be related to modern jurisprudence. He says:

The *ulama* should form a vital part of a Muslim legislative assembly helping and guiding free discussion on questions relating to law. The only defect I foresee, for the possibility of erroneous interpretation, is to reform the present system of legal education in Muhammadan countries. To extend its



Iqbal here suggests the exercise of *ijtihad* by assemblies in place of individual *mujtahids*. While discussing this parliamentary mode of exercising *ijtihad*, Iqbal deals with the other pertinent questions like the qualification of a *mujtahid* and the nature of legal education in modern times besides the legal status of the *ijma'* of the Prophet's Companions.

Firstly he discusses the issue of repeal (*naskh*) of the Qur'an by *ijma'* and illustrates that raising of such question before the Muslim audience is insignificant. It is raised in view of the remark made by a leading European scholar, P Agnès, in his book *Mohammadan Theories of Fiance*.<sup>10</sup> The author of the book, according to Iqbal, without citing any authority states that to some Hanafi and Mutazilah writers *ijma'* can repeal the Qur'an. This is not true as there is not slight justification in the legal literature of Islam. Iqbal thinks that the author is perhaps mislead by the theory of *naskh* (abrogation) found in the early scholars of Islam.<sup>11</sup> He refers to the opinions of Imam Shatibi and 'Amidi about *ijma'*. The former holds that *ijma'* of the Companions is meant only the power to extend or limit the application of a Qur'anic rule of law, and not the power to repeal or supersede it by another rule of law.<sup>12</sup> Similarly, the latter who is from Shafi'i school holds that the Companions must have been in possession of a shari'ah value (*hukm*) entitling them to such a limit or extension.<sup>13</sup> This amplifies that *ijma'* is that source by which the Qur'anic principles and rules are extended to the diverse situations of life. Such rules can even be limited in view of the specific consideration and situations through *ijma'*. In other words, *ijma'* is the extension of the Qur'anic laws in terms of its application to the diverse situations rather than making any change or abrogation in it.

As far as the decisions of the Companions, Iqbal classifies them in two categories, one is related to the question of fact and the other is related to the question of law. The first one is binding for the later generation as in this case the Companions have better knowledge than others. He quotes the example of last two suras of

and such a dispute has been referred to me. Do any one of you know anything in the Sunnah according to which judgement may be passed?" If someone was able to answer his question and provide relevant information. Abu Bakr would say: "Praise be to Allah who has enabled some of us to remember what they have learnt from our Prophet", If he could not find any solution in the Sunnah, then he would gather the leaders and elite of the people and consult with them. If they agreed on a matter then he passed a judgement on that basis.<sup>5</sup>

## 2. Iqbal's Concern

*Ijma'* which is the third source of Islamic law finds considerably an extensive and striking treatment in Iqbal. To him, it is the most important legal notion of Islam that in spite of becoming a subject of academic discussion among the early scholars of Islam, it remained practically a mere idea and rarely assumed the shape of a permanent institution in the Muslim countries.<sup>6</sup> Iqbal finds its reason in the political concerns of the Umayyad and the Abbasid caliphs who gave the power of exercising *ijtihad* to the individual *mujtahids* rather than their community as a whole. These rulers fear that lest the *mujtahid* group may become more powerful for them.<sup>7</sup>

Iqbal finds some satisfaction in the political experience of European nations which impresses upon the modern mind the value and possibility of *ijma'*. He views that European polity tends more to democratic and republican nature than autocracy or anarchy and such environment can value the exercise of *ijma'*. However, when the republican spirit grows in the Muslim world and it will form its assemblies, the process of *ijma'*, according to Iqbal, will advance greatly.<sup>8</sup> He holds that transfer of *ijtihad* from individual representative schools to a Muslim legislative assembly is to be made and it is the only form of *ijma'* that can take place in modern times.<sup>9</sup>

Sunnah it is *ijma'* that serves as a source of law. By having agreement among the scholars upon a rule pertaining to speculative social matter *ijma'* takes place. Its proof is found in the following verses of the Holy Qur'an:

Believers! obey Allah and obey the Messenger, and those invested with authority among you; and then if you were to dispute among your selves about anything refer it to Allah and the Messenger if you believe in Allah and the Last Day.<sup>2</sup>

But as for him who, after guidance has been vouchsafed to him, cuts himself off from the Apostle and follows a path other than that of the believers – him shall We leave unto that which he himself has chosen and shall cause him to endure hell.<sup>3</sup>

In the Hadith the proof of *ijma'* is also found:

My community will never agree on error.<sup>4</sup>

The Pious Caliphs of Islam made a good use of *ijma'* in their times. In the absence of the text (*nass*) on a given issue they turned to opinions of the other Sahabah available to them and by reaching an agreement on any point they declare it their state law. In fact *ijma'* emerged as an institution in their khilafah and most of the complex matters were resolved through it. As it is evident from the method of Abu Bakr, the first khalifah of Islam that is summed up by Maymun Mahran as following:

Whenever a dispute was referred to him, Abu Bakr used to look in to the Quran if he found something according to which he could pass a judgment he did so. If he could not find a solution in the Qur'an, but remembered some relevant aspect of the Prophet's Sunnah, he would go and say to the Muslims: "Such



# Iqbal's Concept of *Ijma'*: Nature and Prospects

Dr. Abdul Rashid Bhat

## Introduction

Allama Iqbal is, undoubtedly, regarded as a multi dimensional personality of the modern Muslim world. He was a great poet, profound thinker, sincere politician and above all an expert in legal philosophy. He wrote rich and superb poetry both in Urdu and Persian depicting the message of love and humanity. His thought is a philosophical understanding and interpretation of universal principles of Islam. As a politician he devoted himself to the struggle for the socio-political freedom and rights of an individual. His expertise in law particularly Islamic legal philosophy treats the issue of legislation that makes Islamic principles practically applicable to the new times by the exercising *ijtihad*. The present paper is a humble attempt to treat *ijma'* in the light of Iqbal's views about it. It will focus on his specific treatment of it as he discusses the subject in the context of contemporary scenario of democracy and parliamentarianism. The paper will also touch upon his plea to reform Muslim legal education and highlight the prospects of his views as well. We will rely here on the sixth chapter of Iqbal's seminal work on Islamic thought, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* and some of his letters and statements.

## 1. Meaning and Proof of *Ijma'*

*Ijma'* literally means determination and resolution. Generally determination is associated with one person and the resolution is with two or more persons. So in both the cases, *ijma'* is discernible. Technically it is consensus of the jurists (*mujtahids*) on a rule of law in a particular period. The *usuli* scholars define it as 'the consensus of *mujtahids* (independent jurists) from the *Ummah* of Muhammad (SAAS) after his death, in a determined period upon a rule of Islamic law (*hukm Shar'i*)'.<sup>1</sup> After the Qur'an,

ISBN 978-93-82288-21-3

# **Fikr-o-Fun-o**

*Iqbal Ke Chand Pehloo*

*Assar Halk Ke Halk Se*

*Edited by*  
*Prof. Taskeena Fazil*



**Iqbal Institute of Culture & Philosophy**  
**University of Kashmir, Srinagar**